اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد ـــ ۳۱
شمارہ ـــ ۲
جمادی الثانی ـــ ۱۴۱۶ھ
نومبر ـــ ۱۹۹۵ء

بانی: حضرۃ مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ
مدیر: عبدالقیوم حقانی

مدیر اعلیٰ: حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم: شفیق فاروقی

ایگزیکٹو ایڈیٹر: حافظ راشد الحق سمیع

فون: ۲۴۰، ۴۳۵، ۴۳۹ کوڈ ۰۵۲۳

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۱۰۰/- روپے فی پرچہ ۱۰/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۶/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۲۶/- ڈالر

سمیع الحق استاذ دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز * قانونِ مکافات

دنیا میں ہمیشہ غلط کار، مجرم، بدکردار اور ظالم اربابِ اقتدار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ اپنے ظالم پیش روؤں اور غلط کار حکمرانوں کے انجام کی پوری تاریخ ان کے سامنے ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے حتیٰ کہ اپنے پیش رو حکمرانوں کا جو انجام خود ان کے اپنے ہاتھوں ہو چکا ہوتا ہے اس سے بھی انہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات صرف دوسروں ہی کے لیے تھا، ان کے لیے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے ۔ پھر اپنی کامیابیوں کے نشے میں وہ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ دنیا میں سب احمق بستے ہیں کوئی نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے نہ اپنے کانوں سے سن سکتا ہے اور نہ اپنے دماغ سے واقعات کو سمجھ سکتا ہے ۔ بس جو کچھ وہ دکھائیں گے اسی کو دنیا دیکھے گی ۔ جو کچھ وہ سنائیں گے، اسی کو دنیا سنے گی، اور جو کچھ وہ سمجھائیں گے دنیا بزِ اخفش کی طرح اسی پر سر ہلاتی رہے گی ۔ یہی بزخود غلطی پہلے بھی بہت سے بزعم خویش عاقل اور فی الحقیقت غافل حکمرانوں کو لے بیٹھی ہے اور اسی کے بُرے نتائج دیکھنے کے لیے موجودہ بزخود غلط حکمران بھی لپکے چلے جا رہے ہیں ۔

اس کی تازہ ترین مثال گذشتہ دنوں حکومت کی دو سالہ کارکردگی پر جشن ہائے فتح اور پورے ملک میں مجالس طرب و نشاط کا انعقاد تھا حالانکہ اسے یوم احتساب ہونا چاہیئے تھا ۔

نوعِ انسانی بالخصوص پاکستانی باشندے عذاب کی جن مختلف اقسام سے آشنا ہیں اس میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو عوامی زندگی کا سب سے زیادہ راز دان ہونا چاہیئے وہ اس سے سب سے زیادہ بے تعلق ہو گئے ہیں وہ انسانی احساسات و جذبات سے بہت دور ایک ایسی رنگین فضا میں وقت گذارنے کے عادی ہو گئے ہیں جہاں زندگی کے حقائق انہیں اپنے اصل رنگ و روپ میں نظر نہیں آنے پاتے انہیں اول تو اپنے عیش و آرام سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ زندگی کی تلخیوں کا جائزہ لے سکیں اور اگر کبھی وہ اس کا عزم بھی کر لیں تو چاپلوسوں کا ایک جم غفیر انہیں حقیقتِ حال تک پہنچنے نہیں دیتا و ان کے سامنے رنگا رنگ کے آئینے آویزاں کیے ہوئے ہے جن میں دیکھنے سے انہیں ہر لمحہ صرف یہی

نظر آتا ہے کہ حضور کا اقبال ترقی پر ہے دشمن اپنی موت مر رہا ہے عوام خوشحال ہے اور ہر نفس حضور کی سلامتی اور درازیٔ عمر کے لیے دعاگو ہے لوگوں کو کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں، انہیں کوئی اضطراب ہے تو یہی کہ حضور خدانخواستہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ ان کی زندگیاں تو حضور کے ساتھ وابستہ ہیں۔

چاپلوس اور خوشامدی لوگوں کی یہ مدح سرائی درحقیقت برسرِ اقتدار گروہ کے لیے سب سے بڑی آزمائش اور سب سے زیادہ خوفناک فتنہ ہے۔ بے جا مدح سرائی کرنے والے خود غرض لوگ انہیں اتنا موقع ہی نہیں دیتے کہ وہ حیاتِ انسانی کا صحیح طور پر مطالعہ کرسکیں لوگ فاقے سے مرتے ہیں اور چاپلوسوں کا طائفہ انہیں یہ باور کراتا ہے کہ وہ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، ملک کا امن غارت ہوتا ہے اور عوام چیختے چلاتے ہیں اور ہر طرف سے نالہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ لیکن یہ حکمران طبقہ کے دل و دماغ میں اس باطل خیال کو بٹھلانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ ایک چھوٹے سے فتنہ پرداز گروہ کی فتنہ سامانیاں ہیں جو آپ کے سکون خاطر کو درہم برہم کرنے کا ناپاک عزم رکھتا ہے ورنہ لوگ تو ہر طرح عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کی زبانیں آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں لوگوں کے اخلاق بگڑتے ہیں ان کے اندر احساسِ شکست اور قنوطیت جیسے مہلک امراض پھیلتے ہیں وہ بے چارے خود غرضی، تعصب، تنگ نظری کا شکار ہوتے ہیں، لیکن یہ چالاک اور عیار لوگ برسرِ اقتدار گروہ کو قوم کے اس انحطاط سے یکسر غافل رکھتے ہیں اور انہیں ہر طرح سے یہ یقین دلاتے ہیں کہ ملت ان کی قیادت و سیادت میں ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ترقی کر رہی ہے اور کسی شخص کو کسی قسم کا کوئی شکوہ نہیں یہ چند مخالف آوازیں ہیں جو کبھی کبھی جناب کے کانوں میں پڑتی ہیں وہ ایسے دشمنوں کی ہیں جو کسی صورت میں بھی آپ کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے، یہ آپ کے ازلی بدخواہ ہیں جو آپ کے جاہ و جلال اور عزت و وقار کو حاسدانہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔

خوشامدیوں اور درباریوں کی یہ روش ہرگز کامیاب نہ ہوسکتی اگر حکمرانوں کا مزاج خوشامد پسند نہ ہوتا، یہاں تو "شہر یارے چنیں اور وزیرے چنیں" والا معاملہ ہے حکمرانوں کا رعایا سے الگ تھلگ رہنے کا رجحان اور اس کے معاملات کو مصاحبوں کے فراہم کردہ آئینوں میں دیکھنے کی عادت اور پھر عوام کے ساتھ تمرد و استکبار کا رویہ یہ سب چیزیں اسلامی تعلیمات اور انسانی اقدار کے سراسر منافی ہیں انسان کے اندر سے جو جذبہ ان کی آبیاری کرتا ہے اس کا خمیر خود غرضی، انانیت اور ہوس کاری سے اٹھایا گیا ہے اور فریب خوردہ عقل نے ان غلط اور گمراہ کن افکار و اعمال کے جواز کے لیے بھی بعض بڑے عجیب نظریات

گھڑ لیے ہیں، سیاستدان جب اقتدار میں آتے ہیں تو وہی نظریات (دیوتائی اور فرضی خدائی) اپنا لیتے ہیں۔

یونانی ادب میں دیوتاؤں کا جو تصور موجود ہے وہ یہ ہے کہ ایک مافوق البشر مخلوق انسانی آبادی سے بہت دور اونچے پہاڑوں پر عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہے انسانوں کی حیثیت اس کے نزدیک محض کھلونوں کی سی ہے دیوتا جب ترنگ میں آتے ہیں تو انسانی آبادیوں پر بلا تکلف بجلیاں گراتے ہیں جن سے لاکھوں انسان نیست و نابود ہوتے ہیں کبھی وہ انسانوں کے درمیان جنگ و جدال اور قتل و غارت شروع کرا دیتے ہیں اور کبھی سمندروں میں جہازوں کے ڈبونے کا سامان کرتے ہیں انسان جب ان مصائب سے گھبرا کر چیختے اور چلاتے ہیں تو دیوتا ان کی اس آہ و فغاں میں چنگ و رباب کی سی لذت محسوس کرتے ہیں وہ انسانی نالوں پر تھرکتے اور ناچتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کا انداز حکمرانی اور انداز سلطانی یونانی ادب میں دیوتاؤں کے اس تصور کی عملی تعبیر ہے۔

ایسے حالات میں حکمرانوں سے کیا کسی خیر کی توقع رکھی جا سکتی ہے ریزولیشن، قرارداد اور مطالبات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جہاں باڑھ خود کھیت کو کھا رہی ہو وہاں باڑھ سے کیا کہیے کہ کھیت کی حفاظت کر۔ خدا کو اگر اس کھیت کی حفاظت کرنی ہے تو یا وہ اس باڑھ کو درست کرے گا یا پھر اس کی جگہ کوئی دوسری باڑھ لگائے گا۔ خدا کی نگری کوئی اندھیر نگری نہیں ہے نہ وہ اس نگری کا العیاذ باللہ کوئی کٹھ پتلی راجہ ہے وہ خود دیکھ رہا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی یہ سرزمین نیکی اور شرافت کے لیے کس طرح تنگ ہوتی جا رہی ہے۔

ملک کے موجودہ حالات، بدامنی، شدید ترین بحران، کمر توڑ مہنگائی، فوج میں دینی قوتوں کے خلاف، اقدام اور ملکی سالمیت کے خلاف پر زور سازشوں سے آنکھیں بند کر کے بیلائے اقتدار سے ہمکنار حکمرانوں سے گذارش ہے کہ۔

خدا کے لیے ایک حد کے اندر رہیئے، عقل، انصاف اور آدمیت کی ساری حدیں طاقت کے زعم میں پھاندتے نہ چلے جایئے خود طاقت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جہاں وہ غلط کاریوں کے باوجود کسی کو سنبھالتی چلی جاتی ہے۔ اس حد کو پار کر جانے کے بعد بڑے سے بڑا طاقتور انسان بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔

(عبدالقیوم حقانی)

خیبر ایجنسی، ملاکنڈ اور باجوڑ میں حکومتی مظالم کا پسِ منظر اور پیش منظر

ایوان بالا سینیٹ آف پاکستان میں مولانا سمیع الحق کا مفصل خطاب

کچھ عرصہ قبل خیبر ایجنسی اور اس سے قبل ملاکنڈ اور باجوڑ میں نفاذ شریعت کے متوالوں پر حکومتی جبر واستبداد اور ظالمانہ رویے اور بہیمانہ تشدد پر پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا تھا تنظیم اتحاد علماء کے چیئرمین حضرت مولانا عبدالہادی صاحب مدظلہ نے مولانا سمیع الحق مدظلہ کی دعوت پر بھوربن میں ملی یکجہتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کی واپسی پر انہیں راستے میں گرفتار کر لیا گیا پھر اس کے بعد خیبر ایجنسی میں وہی کچھ ہوا جس سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے قائد سینیٹر مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ایوانِ بالا سینیٹ آف پاکستان میں ۲۸ اگست کو اس موضوع پر اپنی تقریر میں حکمرانوں کو جھجوڑا اور حکومتی مظالم اور بہیمیت کی پرزور مذمت کی پس منظر اور پیش منظر اور حکمرانوں کے اس ظالمانہ رویے پر انہیں اس کے انجام بد سے آگاہ کیا۔

ملاکنڈ اور خیبر ایجنسی میں حکومت کی منافقانہ پالیسی اور مستقبل کے مذموم عزائم کے پیش نظر اب بھی یہ ایک نوشتہ دیوار ہے جس میں سب اپنا اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں افادیت عامہ کے پیش نظر نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

مولانا سمیع الحق: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب چیئرمین! اس المناک واقعہ پر ہمارے ساتھیوں نے بہت سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ جناب عبدالرحیم مندوخیل صاحب، آفتاب شیخ صاحب اور راجہ ظفر الحق صاحب نے اس کے ہر پہلو کو اچھی طرح سے اجاگر کیا۔ انہوں نے اس کے سیاسی مضمرات اور جغرافیائی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے حقائق پر مبنی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے حکومتی اراکین بھی کافی حد تک اتفاق کر رہے ہوں گے۔

مجھے آج خوشی یہ ہے کہ ہمارے فاضل وزیر داخلہ جناب نصیر اللہ بابر صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔ میں

یہ سمجھتا ہوں کہ "بابر" کا جو لفظ ہے یہ ہمارے لیے ایک مصیبت بنا ہوا ہے۔ کیونکہ ظہیر الدین بابر ہمیشہ دوسروں
کو فتح کرنے میں لگا رہتا تھا لیکن وہ غیر مسلموں کو فتح کرنے میں لگا رہتا تھا۔ تاہم اس کا جانشین اور پوتا خاندانی
نخوت سے سرشار ہو کر ہر وقت اپنے مفبوضات کی فکر میں رہتا ہے اور اپنے ہی مسلمانوں کو فتح کرنے میں لگا
رہتا ہے۔ وہ "بابر" کیسے تھے اور یہ "بابر" کیسے ہیں تو ہمیں آج یہ فرق معلوم ہو جائے۔۔۔۔ ہم تو یہی دیکھتے ہیں
کہ آپ نے "بابر" کی کرسی پر بیٹھ کر وہی انداز اختیار کیا ہے جو مغلوں کا ہندوستان میں وطیرہ رہا ہے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل! POINT OF EXPLANATION وہ پشتونوں کا بہت
بڑا دشمن تھا اور اس نے ہمارے سروں کا۔۔۔۔ نہیں یہ غلطی پہ غلطیاں کر رہا ہے لیکن اپنے طور پہ بابر شیرانی پشتونوں
کا ایک ALLY ہے۔

شریعت کا لفظ جب آتا ہے، اسلام کا لفظ جب آتا ہے تو پھر یہ حکمران لرز اٹھتے ہیں کیونکہ ان کے سرپرستوں کو تکلیف ہوتی ہے

مولانا سمیع الحق! یہ اس نام کا تاثر ہے کہ جو پشتونوں کا بڑا دشمن تھا آج اس کے پوتے نے خود
اپنی قوم پر، اپنے پشتونوں پر لشکر کشی شروع کر دی ہے۔ اب سمجھ نہیں آتا کہ اس معاملے کو کتنے افسوسناک
انداز میں دیکھا جائے اور اس پر اظہار خیال کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس معاملے میں مجھے براہ راست ادھ
سمجھا جائے۔ **اگر وہ سارے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنے والے مجرم ہیں تو ان تمام جرائم کا بانی وہاں میں ہوں**
اور مولانا عبدالہادی صاحب (جو خیبر ایجنسی میں تنظیم اتحاد علماء کے چیئرمین ہیں) کو میں نے بڑی خصوصی دعوت پر
ملی یکجہتی کونسل کی کانفرنس میں بھوربن مری میں بلایا تھا اور اس میں باقاعدہ شمولیت کی دعوت دی تھی۔ اور
پہلی بار وہ پشاور میں (ملی یکجہتی کونسل کے اجلاس) جو دینی جماعتوں کا سب سے بڑا پلیٹ فارم ہے۔ اس
میں وہ شریک ہوا، اس نے اپنے خیالات اور جذبات ظاہر کیے۔ اس ملک کے ساتھ محبت، وابستگی اور اسلام
سے والہانہ شیفتگی ظاہر کی۔ انہوں نے پشتو میں تقریر کی، میں نے تمام حضرات کو اس کا ترجمہ سنایا تھا۔ ہم نے کہا
تھا کہ جرائم کے قلع قمع کریں اور اس ملک کے اسلامی نظام میں ہم سب مسلمان تمام جماعتیں ایک ہیں۔ ہم نے ان کو
خوش آمدید کہا، پھر میں نے ان کو دعوت دی تو وہ وہاں ۲ اگست کو بھوربن میں ہمارے اجلاس میں آیا۔ مجھ
سے تین بجے ملا اور مجھ سے رخصت لی کہ ہماری جگہ بڑی دور ہے تو مجھے پہلے اجازت دیں، ہمارا اجلاس ۵ بجے
تک جاری رہا، وہاں سے وہ تین بجے چلا، اور راستے میں انہوں نے نوشہرہ کے قریب اس کو گرفتار کر لیا، یہ مفرور یہ
پہلے سے تھا لیکن چونکہ وہ علاقے میں ہوتا تھا، تو وہاں ان کو اس طرح گرفتار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔
جب وہ باہر نکلا اور ایک نیک مقصد کے لیے آیا تھا تو اس پر اسلحے کی سمگلنگ کا الزام لگایا گیا۔ یعنی اسلحہ وہ
[illegible] سے لے کر جا رہا تھا۔ کیونکہ وہاں اسلحہ کی کمی ہے اور اس نے وہ اسلحہ بارہ میں بیچنا تھا؟ اگر وہ پشاور سے

آتے وقت پکڑا جاتا تو واقعی اس کے ساتھ اسلحہ ہوتا اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ ٹائروں کی سمگلنگ کر رہا تھا۔ اس کی گاڑی میں نیچے چار ٹائر لگے ہوئے تھے، اس بیچارے کا یہ جرم تھا کہ وہ ٹائر والی گاڑی میں آیا تھا، اس جیپ میں تو سات آدمی تھے، اس میں وہ ٹائر کیسے لا سکتا تھا۔ بہرحال یہاں جیسے ہمارے فاضل ساتھیوں نے کہا یہ تو ہمیشہ سے قبائل کے اپنے روایات ہیں، اپنا جرگہ سسٹم ہے وہ اپنے طور طریقوں پر فیصلے کرتے ہیں اور اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ان تمام معاملات کو حکومت نے کبھی حکومت اندر حکومت نہیں سمجھا، انگریز نے بھی نہیں کہا کہ یہ ریاست کے اندر ریاست ہے۔ کیونکہ ان کی روایات کا ایک سسٹم ہے اس کے مطابق وہ جرائم کا قلع قمع کرتے ہیں، اصلاح کرتے ہیں، سزائیں دیتے ہیں، گھروں کو بھی جلایا جاتا ہے، فائر بندی بھی وہ اپنے طریقوں سے کرتے ہیں لیکن ان کو (حکومت کو) بنیادی تکلیف یہ ہوگئی کہ اس نے ان تمام اصلاحات کو اسلام کا نام دے دیا اور شریعت کا لفظ جب آتا ہے، اسلام کا لفظ جب آتا ہے تو پھر یہ حکمران لرز اٹھتے ہیں کیونکہ ان کے سرپرستوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر وہ بیچارہ شریعت کا نام نہ لیتا، یا وہ تنظیم اتحاد علماء کا لفظ استعمال نہ کرتا، تو پھر ان کو کوئی تکلیف نہیں تھی۔ بات یہ ہے کہ اس ملک میں امریکہ یا اس کے حواری یہ نہیں چاہتے کہ کسی بھی خطے میں کسی بھی علاقے میں کوئی اصلاحی کام اسلام کے نام پر کیا جائے اور ہمارے (حکمران) حضرات مجبور ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ ان کو اسلام سے دشمنی ہے یا اسلام سے نفرت ہے، یہ بھی مسلمان ہیں لیکن یہ شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور اگر ایک قوم اپنے لیے پرامن راستہ اختیار کر کے ایک نظام چاہتی ہے، کچھ قوانین چاہتی ہے، کچھ اصلاحات چاہتی ہے، تو ہم ان کو اپنا دشمن سمجھ کر ان پر ٹینکوں سے اور بکتر بند گاڑیوں سے یلغار کرتے ہیں، یہی حکومت کا وطیرہ ہے، پچھلے بھی کئی لوگ اس میں ملوث ہیں لیکن اس حکومت نے تو حد کردی ہے کہ مذہب کے نام پر کہیں کوئی آواز اٹھے ان کو فوراً بلڈوز کر دو۔ کیونکہ امریکہ خفا ہوتا ہے۔ اب وہ (خیبر ایجنسی والے) کیا جرم کرتے ہیں، چند بید (کوڑے) مارتے ہیں اور کئی تقریبات میں انہوں نے خود مجھے بلایا ہے۔ مجرم جو قاتل ہے، جو ہیروئن اور منشیات کو فروخت کرتا ہے جو کسی کے گھر میں کود کر کسی کی عزت لوٹتا ہے۔ ہمارے ہاں کا عدالتی نظام وہاں نہیں ہے۔ وہاں وہ قوانین نہیں ہیں۔ اب ایسے مجرم کو کیسے سزا دی جائے۔ پولیٹیکل ایجنٹ اور انتظامیہ ہمیشہ ان کی سرپرستی کرتی ہے۔ اور بلیک میل کے لیے ان کو بھی اور ان کو بھی دباؤ میں رکھتی ہے۔ اور بیچ میں وہ وائسرائے بنا بیٹھا ہے۔ ہر جرم پر ان کی بھینس دودھ دینے لگ جاتی ہے۔ تو انہوں نے آپس میں فیصلے کیے کہ ہم تعزیرات کے طور پر سزائیں دیں گے۔ اور سزائیں لوگوں کے سامنے دیں گے۔ سزاؤں کا اسلام کا ایک نظام ہے۔ کہ اس میں عبرت مقصد ہے۔ اوروں کو تنبیہ ہو۔ اور اپنی اصلاح کرلیں۔ اور اس کے لیے لازمی ہے کہ کچھ نہ کچھ لوگ جمع ہوں۔ (ع.بی) راجہ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ نے یہ فلسفہ بیان کیا

ہے۔ کہ مجرم کو سزا دی جائے تو ایک بڑا گروہ مسلمانوں کا اس کو دیکھ لے۔ ہم مجرموں کی سرپرستی کرتے ہیں
مجرموں کو بے نقاب کرنے پر خفا ہوتے ہیں۔ یورپ کا یہ فلسفہ ہے۔ اور اسلام کا فلسفہ ہے کہ لوگوں کے سامنے انکو سزا دی

اس حکومت نے تو حد کر دی ہے کہ مذہب کے نام پر کہیں کوئی آواز اٹھے انکو فوراً بلڈوز کردے کیونکہ امریکہ خفا ہوتا ہے

مجھے انہوں نے ایک دفعہ بلایا۔ باڑہ میں نو دس ہزار افراد جمع تھے۔ ایک انتہائی غلیظ قسم کا مجرم تھا جرائم
ایسے تھے کہ وہ تو سنگسار کرنے کے قابل تھا۔ لیکن ان بیچاروں نے اس کو چند کوڑے لگائے۔ کوڑے بھی ایسے
تھے۔ یہ لفظ ایسا بنا دیا گیا (کہ دنیا کو اس سے وحشت ہو) ایک بید سا تھا جیسے ہیڈ ماسٹر کے پاس ہوتا ہے۔ اور
اس کو لٹا کر بڑے آرام کے ساتھ اس کو چند بید مارے۔ پیار تو آپ کا مجرموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بڑے پیار سے
مارے۔ وہ کسی کے گھر میں گھسا تھا کسی کی عزت لوٹی تھی۔ اور ہیروئن بیچتا تھا۔ ہیروئن والا مسلمانوں کا انسانیت
کا قاتل ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو کچھ سزا نہیں ہے۔ ویسے ہی ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔ اس کے تو پرخچے
اڑانے چاہئیں تھے اس نے تو سارا معاشرہ تباہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہم صرف عبرت دلاتے ہیں "تکلیف نہ"
دینا چاہتے، ہم مسلمانوں کو اپنے قبائل کو اور اتنی سی سزا سے تمام انگریزی اخباروں میں تصویریں چھپی ہوئی تھیں
یہ الیکشن کے دنوں کی بات ہے۔ یورپ تک یہ بات پہنچی کہ دیکھو مسلمان کتنے ظالم ہیں۔ دہشت گرد ہیں۔ اور
ابھی اس دن پچھلے دنوں اس پرانی تصویر کو ہندوستان سے ساڑھے نو بجے زی ٹی وی سے جو خبریں آتی ہیں۔ اس
میں اب وہ بار بار اس تصویر کو دکھا رہے ہیں۔ اور سی این این اور بی بی سی بھی اسی تصویر کو دکھا رہے ہیں۔
ان کو تکلیف ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نظام تعزیرات یا قوانین کہیں نافذ نہ ہو۔ ابھی یہ اس انتظار میں تھے کہ ان
کو کس طرح کرش کیا جائے۔ وہ تو بڑے حساس اور غیور لوگ ہیں۔ شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا ہے
لیکن یہ مجبور تھے مالاکنڈ میں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مالاکنڈ میں لوگوں کا کیا جرم تھا؟ بیچارے نکلے ہیں سڑکوں
پر پرامن اور بیٹھے ہوئے ہیں سردی گرمی میں کہ ہمیں اپنی شریعت پر عمل کرنے دو۔ کیونکہ ہمارے نظام
میں خلا آیا ہے۔ فاٹا قوانین ختم ہو گئے ہیں۔ ہمیں انگریزی استعماری قوانین کے سپرد مت کرو۔ انہوں نے
کیا کچھ کیا مالاکنڈ میں۔ اب تک وہ ہو رہا ہے۔ اور انتہائی اذیت میں ہیں وہ لوگ۔ اب وہ کہتے ہیں کہ یا تو ہمیں شریعت دو یا ہمیں شہید کرو۔

امریکہ یا اس کے حواری یہ نہیں چاہتے کہ کسی بھی خطے میں کسی بھی علاقے میں کوئی اصلاحی کام اسلام
کے نام پر کیا جائے۔

جب انسان اپنی جانوں کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں وہ جنگ مالاکنڈ میں اقتدار کی جنگ نہیں۔
ان کا یہ کوئی تصور نہیں ہے کہ محترمہ بے نظیر کو ہٹا دو اور نواز شریف کو بٹھا دو یا نواز شریف کو ہٹا کے بے نظیر
بٹھا دیا جائے۔ بابر صاحب مجھے بتائیں کہ ان کے کوئی سیاسی عزائم ہیں؟ کوئی سیاسی محرکات ان کی پشت

ہیں۔ اس لیے وہ ہمیں کہتے ہیں کہ سیاسی پارٹیو، ہمیں معاف کرو۔ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو ہم اپنے دین کی بات کرتے ہیں ۔کبھی ان کے قلابے ہندوستان کے ساتھ اور کبھی افغانستان کے ساتھ ملائے جارہے ہیں ۔اور کبھی دہشت گردوں سے ۔حالانکہ صاف بات ہے کہ آپ کے ہاں اگر کوئی دستور معطل ہو گیا آپ اس کا کوئی متبادل نظام تو دیکھیں گے ۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم پر کوئی دستور لاگو نہیں ہوتا ہے، ہمارے قوانین ختم ہو گئے ہیں تو ہمیں صرف اپنی شریعت پر عمل کرنے دو۔ اور اس کے لیے صحیح عالم اور شریعت سے باخبر علماء ہوں ان کو بٹھا دو بس ۔ ان سے حکومت وہ نہیں چھینتے ۔ وہ لااینڈ آرڈر کا نظام تبدیل نہیں کرنا چاہتے ۔اسی طرح باجوڑ میں ہوا۔ باجوڑ کے لوگ بھی اٹھے کہ ہمیں شریعت پر عمل کرنے دو۔ ہم ایک نظام پسند کرتے ہیں وہی ہم پر نافذ کردو ۔ وہی ہمیں امن دے سکتا ہے اور بد دیانتی سے بچا سکتا ہے ۔مگر حکومت نے باجوڑ میں وہ وحشت ناک اقدامات کیے ہیں کہ پورے باجوڑ کے بازاروں کو ملیا میٹ کر دیا ہے ۔ اب یہاں جب بات چلی شرعی قوانین کی تو انہوں نے وہ اقدام کیا جو پہلے جرأت نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ اس میں پھر اور طاقتیں ان کی پشت پناہی نہیں کرتی تھیں ،اب اور طاقتیں ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں اور ان کو شاباش دے رہی ہیں کہ ان کو CRUSH کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سلسلہ انتہائی خطرناک ہے اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہے ۔ آج قبائل کی سب ایجنسیوں میں یہ منظم تحریک ہے یہ صرف ایک تحصیل کا مسئلہ نہیں ہے ۔ وہ خاموش ہیں وہ اپنی قوتیں جمع کر رہے ہیں ۔ وہ آسانی سے اپنے دین سے اور حاکمیت خداوندی سے آزاد نہیں ہوں گے ۔ آج قبائلی ایجنسیوں میں مستقل تحریک نفاذ شریعت منظم ہے ان کا صدر مولانا دیندار ہے اور تمام ان کے ساتھ ہیں ۔یہ چیز تحصیل سے پھیل کر سارے قبائل میں جائے گی اور ہم ان اقدامات کو روکیں گے ۔ اس لیے کہ ۔

> "ملی یکجہتی کونسل کا ایمان ہے کہ ہمارے آپس میں ہزاروں اختلافات ہوں لیکن اللہ کے نظام اور دین کے لیے ہم ایک رہیں گے اس لیے آپ نہیں کہہ سکتے کہ شریعت اس لیے نافذ نہیں ہوتی کہ فرقہ واریت ، دیوبندی ، بریلوی ، شیعہ ، سنی موجود ہیں ۔اس وقت الحمد للہ شیعہ سنی ، بریلوی ، دیوبندی ، اہل حدیث ، مقلد ، غیر مقلد سب متفق ہیں کہ اس ملک کو استعماری نظام سے ، ظلم و ستم سے ، جبر و تشدد سے نجات دلانی ہوگی ۔"

ہم اپیل کریں گے کہ قبل اس کے کہ یہ آگ بارڑے سے پھیل کر کراچی تک پہنچ جائے ، بابر صاحب سنجیدگی سے ان کے جذبات کا ،ان کے احساسات کا لحاظ رکھیں وہاں فوجی چھاؤنی تو نہیں تھی کہ ایک دفتر کی وجہ سے آپ نے سینکڑوں دکانیں مٹا دیں ۔ وہ بیچارے ایک چھوٹے سے چبوترے میں بیٹھتے تھے ۔

کچی سیڑھیاں تھیں میں اس میں کئی مرتبہ گیا ہوں پانچ آدمی اس میں نہیں بیٹھ سکتے۔ وہ کھانا بھی وہیں کھاتے تھے اور وضو بھی وہیں اس چبوترے میں کرتے تھے۔ نیچے انہوں نے دو کمرے رکھے ہوئے تھے کہ مجرم کو ان میں حراست میں رکھا جائے۔ لیکن انہوں نے تو اس سسٹم کو ملیا میٹ کر دیا شریعت کو پاکستان میں نہیں آنے دے رہے کیونکہ امریکہ خفا ہو رہا ہے۔

> **لیکن آپ دیکھیں گے کہ جب لاوا پھٹے گا تو اس میں نہ امریکہ رہے گا نہ امریکہ کے ایجنٹ رہیں گے۔**

امریکہ کہتا ہے کہ مالاکنڈ ہو یا لاڑکانہ ہو یا کوئی ایک چھوٹا قصبہ کیوں نہ ہو وہاں شریعت کا نظام نافذ نہ ہو کیونکہ اس کو وہ نیو ورلڈ آرڈر کے لیے موت سمجھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خدارا اپنے آئین کو دیکھیں۔ آپ کی قرارداد مقاصد میں ہے کہ حاکمیت یہاں اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ جب بھی کوئی شریعت کا نام لیتا ہے آپ اس پر الزامات کا ایک طومار لگا دیتے ہیں۔ ٹی وی پر پروپیگنڈہ ہو رہا ہے کہ وہ راشی ہیں، مجرم ہیں، قاتل ہیں، سمگلر ہیں اب اپنے ہاتھوں اگر آپ نے علماء کو اس حد تک ذلیل کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑا..... چند دن تو آپ خوش ہو جائیں گے کہ ہم نے مالاکنڈ میں کرش کر دیا، باڑہ میں ہم نے دبا دیا، باجوڑ میں ہم نے ملیا میٹ کر دیا۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ جب لاوا پھٹے گا تو اس میں نہ امریکہ رہے گا نہ امریکہ کے ایجنٹ رہیں گے۔

محمد الیاس بلور: جہاں تک مجھے اس دن ایک آدمی نے سوال کیا کہ جناب ملک میں ایک بات آ رہی ہے کہ سب مولانا حضرات مذہبی جماعتیں اکٹھی ہو رہی ہیں تو میں نے کہا کہ الحمد للہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اگر ساری مذہبی جماعتیں اکٹھی ہو جائیں اس میں کوئی بری بات نہیں ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں میں نے جو دیکھا ہے میری اپنی جو سوچ ہے کہ ایک گھر میں چار عورتیں تو رہ سکتی ہیں چار بیویاں بن کر۔ ایک مسجد میں دو ملا نہیں رہ سکتے۔ تو میرا خیال ہے کہ بڑا مشکل کام ہے۔ شکریہ جناب چیئرمین۔

> **امریکہ کہتا ہے کہ مالاکنڈ ہو یا لاڑکانہ ہو یا کوئی ایک چھوٹا قصبہ کیوں نہ ہو وہاں شریعت کا نظام نافذ نہ ہو کیونکہ اس کو وہ نیو ورلڈ آرڈر کے لیے موت سمجھتا ہے۔**

مولانا سمیع الحق: میں نے کہا کہ الیاس بلور صاحب کی تقریر بڑی اچھی تھی مگر خاتمہ بڑا خراب کر دیا انہوں نے۔

جناب چیئرمین: آپ تو مولوی نہیں ہیں ناں۔

مولانا سمیع الحق: میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ افضل خان صاحب کے ساتھ نہیں رہ سکتے، آپ اسفندیار کے ساتھ نہیں رہ سکتے مسجد میں ایک مولوی کی ضرورت ہوتی ہے دو کی نہیں۔

جناب چیئرمین ! اب WIND UP کریں مولانا صاحب ۔

حافظ فضل محمد ! لہٰذا ہماری اب اس بوڑھے وزیر داخلہ سے درخواست ہے کہ خدا کے لیے اپنے اس آخری دور کو اس طرح برباد نہ کرو ، توبہ کرو ، جاؤ اللہ اللہ کرو ، مسجد میں بیٹھ جاؤ ۔ ہم نے پہلے بھی کہا تھا کہ اس کو ایک سیاسی ادارے میں سیاسی تربیت دی جائے اس بے چارے کو سیاست کے ابجد کا بھی پتہ نہیں ہے یہ تو وہاں سے آکر ہمارے سر پر مسلط ہو گئے ۔ ابھی ان کو پتہ بھی نہیں کہ سیاست کیا ہے سیاست ایک انتہائی نازک پودا ہے ، یہ انتہائی باریک دھاگہ ہے یہ بوٹوں سے اسے روند دیں گے یہ سب کے سب سیاسی معاملات کو تباہ کر دیں گے اب بھی میرا ان کو یہ مشورہ ہے کہ ان کو لے جائیں کسی سیاسی ادارے میں ان کو سیاسی تربیت دی جائے پھر ان کو ایک اہم پوسٹ پر لایا جائے ۔

مولانا سمیع الحق ! بابر صاحب کو ریٹائر کرنے کے بعد میری درخواست یہ ہوگی کہ ان کو دارالعلوم میں ہمارے پاس بھیجا جائے کیونکہ وہ ہمارے ممبر ہیں وہاں دہشت گردی کی پوری تربیت بھی ان کو دے دی جائے گی اور یہ بڑے سکون سے دو وقت کا کھانا کھا سکیں گے ہم دو روٹیاں اور دال ان کو.....

اشراق

حافظ راشد الحق
ایگزیکٹو ایڈیٹر ماہنامہ الحق

سفر علم و آگہی

”الحق“ ماضی حال اور استقبال کے آئینہ میں
فرقِ باطلہ کا تعاقب!
(۲)

قادیانیت

گزشتہ قسط میں ہم نے الحق کے تیس سال مکمل ہونے کے حوالے سے اس کے مندرجات کے متعلق مختصر اجمالی تذکرہ کیا تھا اب آیئے ذرا تفصیلاً اس کا ایک جائزہ لیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے الحق اور فرقِ باطلہ کے تعاقب کے بارے میں ایک مختصر خاکہ پیش خدمت ہے: چونکہ الحق کے مہم ترین مقاصد اور فرائض میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ بھی شامل ہے کہ اعداءِ اسلام کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا جائے، اور مسلمانوں کو ان کے مکروہ عزائم سے آگاہ کیا جائے۔ اور الحمد للہ مقامِ شکر ہے کہ الحق نے بطریقہ احسن یہ ذمہ داری بھی انجام دی۔

دراصل اسلام کے ابتدائی دنوں میں ہی مختلف فرقِ باطلہ نے اپنی مکروہ سازشوں اور فریب کاریوں کا جال بننا شروع کردیا تھا اور شروع ہی سے ان کی یہ کوششیں رہیں کہ کسی طرح سے بھی قصرِ اسلام میں نقب لگا سکیں اور کسی بھی صورت اس کی شانِ عظمت اور وقار کو دھندلایا جا سکے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے ان دجالی فتنوں، شیطانی تحریکات اور ائمہ تلبیس نے لبادۂ اسلام میں مقدس دین اور امت مسلمہ کو شروفساد تفرقہ بازی اور ملمع سازی اور دجل وتلبیس فریب وریا کے ہتھکنڈوں سے اسلام کے مضبوط حصار میں دراڑیں اور شگاف پیدا کرنے کی ناپاک کوششیں کیں۔ چنانچہ ہر دور میں انہی فتنوں کی سرکوبی کے لیے قدرتِ حق نے رجال کار اور مردانِ باصفا پیدا کیے۔ جن کی انتھک کوششوں اور شبانہ روز مساعی سے ان فتنوں کے عزائم اور افکارِ خبیثہ امت مسلمہ کے سامنے طشت ازبام ہوگئے اور ان کے اسلام کے خلاف سارے منصوبے اور سازشیں تارِ عنکبوت ثابت ہوئے اور ان فتنوں کا ٹڈی دل، جو کہ ایک سیلاب بلا سے کم نہیں تھا۔ گلشنِ اسلام کی تروتازگی و شادابی کو پژمردہ نہ کرسکا۔

چنانچہ اسی سلسلے میں ہم جھوٹے مدعیانِ نبوت کے بارے میں کچھ عرض کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشادِ گرامی ہے کہ سیکون فی امتی ثلاثون دجالون کذابون (الحدیث) کہ عنقریب میری امت میں تیس ۳۰ دجال اور کذاب پیدا ہوں گے، اور آنحضرت ؐ کی اسی پیشگوئی کے مطابق جب حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے دورِ خلافت میں مسیلمۂ کذاب نے باقاعدہ اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور ایک کثیر تعداد میں لوگ اس کے زیرِ اثر آگئے تو ظاہر ہے کہ اس عظیم فتنہ کو دبانا ضروری تھا اسی مقصد کی خاطر حضرۃ ابو بکر صدیق رضؓ نے اس دجالی فتنہ کے خلاف بھرپور جہاد کیا۔ چنانچہ آپ کے اس بروقت اقدام کی وجہ سے یہ فتنہ سرد کر دیا گیا۔ اور مسیلمۂ کذاب کو حضرت وحشی رضؓ ابن حرب نے واصل بجہنم کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ فتنہ نت نئے روپ میں اور بھیس بدل کر مختلف انداز میں سر ابھارتا رہا ہے۔

انہی ائمۂ تلبیس، مسیلمۂ کذاب، ابن سبا اور دیگر دجالین کے ٹولے کے ایک اور گندی ذریتِ فاسدہ لعین مرزا غلام احمد قادیانی اپنے سلوف کے ڈگر پر چلتے ہوئے پھر عقیدۂ ختم نبوت کا انکار کیا۔ اور انگریزوں کے اسی تربیت یافتہ کلبِ معلّم نے اسلام کی حقانیت اور عقیدۂ ختم نبوت کے بدرِ کامل کی بڑھتی ہوئی روشنی کو دیکھ کر وقتاً بھونکنا شروع کر دیا۔ لیکن عُوَاءُ الکلبِ لایُظلم البَدْرَ کے مصداق قصرِ ختم نبوت میں اس کی نقب زنی کی یہ واردات کامیاب نہ ہو سکی، اور بقول غالب ۔

ع آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے۔ مُوتوا بغیظکم

چنانچہ جریدۂ الحق میں وقتاً فوقتاً امت مسلمہ کی روح کی اسی ناسور اور نبوت محمدی ؐ کے خلاف اس عالمی صیہونی سازش قادیانیت اور اس فتنہ کی دسیسہ کاریوں اور فتنہ سازیوں کی قلعی کھول دی گئی ہے رچاہے اس پر علمی انداز میں رد ہو یا ان کے فرسودہ اور خود ساختہ دلائل کی بیخ کنی ہو۔ یا سیاسی لہجہ میں اس فتنہ کے عالم اسلام کے خلاف سازشیں ہوں۔ تو اس موضوع پر الحق میں انتہائی ٹھوس اہم اور مفید کام ہوا ہے اور انہی مقالات و مضامین کے سلسلہ میں جناب ابو مرثدہ کے مضامین جب الحق کے صفحات پر آئے۔ تو ان کے ٹھوس دلائل اور مضبوط و محکم شواہد کا ان قادیانی ملمع سازوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اور پھر وہی مضامین قادیان سے اسرائیل تک نامی کتابی شکل میں آئے۔ تو جھوٹی نبوت کے دعویداروں کے صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور آج تک وہ لوگ اس کا جواب نہ دے سکے۔ ع

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے ۔ یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

اور پھر جب تمام مسلمانوں کو اسی فتنہ کی زہر افشانی کا علم ہوا تو ہر طرف سے اس قادیانی شجرۂ خبیثہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے اور اس کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ شروع ہوا۔ چنانچہ والد محترم مدظلہ نے اسی ضمن اور تناظر میں یہ روح پرور اور ایمان افروز اداریہ بعنوان "مطالبہ اقلیت ایک

سرسری جائزہ" لکھا۔ اس طویل اور پر مغز اداریہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

" پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیین بطور آخری نبی کے، ایک حقیقت تسلیم کرلی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتے بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک روح پرور آواز اٹھی اور سارے فضائے بسیط میں پھیل گئی۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازۂ حق سے گونج اٹھی، باطل کے در و دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعلی نبوت کے ظلمتکدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آزاد کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ حرارتِ ایمانی اور حمیّتِ ناموسِ رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلانِ حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی اسلامیانِ پاکستان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی ـــــ اس جرأت مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آزاد کشمیر اسمبلی اور صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کو بے پناہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جس کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموسِ رسالت پر مرمٹنے کے جذبات سے عاری تھا اور جو آنکھوں کے نہیں مگر دلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمنِ دجل و تلبیس پر یہ قرارداد ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا ـــــ آزاد کشمیر کی حکومت اس "جرم" کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر ملّتِ مسلمہ کا اندرونی فدائیت اور ناموسِ رسالت پر مرمٹنے والے عزائم اس منصوبے کے آڑے نہ آتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا ہے ان کی حقیقت سردار عبدالقیوم خان ہی کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مرکزی وزیرِ داخلہ عبدالقیوم خان کے نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ دراصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے غالباً "قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں جتنی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے۔"

بہرحال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں، صرف برصغیر کا نہیں نہ صرف عالمِ اسلام کا ہے، بلکہ روئے زمین پر بسنے والے محمد عربی ﷺ کے ہر نام لیوا امتی اور دربارِ رسالت ﷺ کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے "قادیانی مسلم نزاع" جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا۔ اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصورِ ایمان اور تصورِ رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات، قرآن و سنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریم ﷺ سے عشق و محبت، رسولِ عربی سے نسبتِ غلامی، اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملّی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس "نبوتِ کاذبہ" کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ

کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے گا قادیانیت پوری امت کے لیے ایک چیلنج بنی رہے گی، اور محمد عربیؐ کی پوری امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ قرآن ہمیں ایسے معاملات میں وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ کا حکم دیتا ہے جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود خدا کی نگاہ میں ان کی وقعت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے برابر بھی نہیں جس نے نبی کریمؐ کی دلآزاری کا کفارہ اپنے وقت کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو تہ تیغ کرنے کی شکل میں دیا اور جب تک اس ملعون کو جہنم رسید نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امیدوار نہ بن سکے۔

تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں کے مطالبہ اقلیت پر بھی چیں بجبیں ہو جاتے ہیں حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں، اسلام اور ارتداد کا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کو سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی اسے مسلمانوں کی رواداری کہیئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں "اقلیت قرار دینے" کا کم تر درجہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تو آیئے! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں ——— جہاں تک اقلیت کا مسئلہ ہے۔

دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہونے کا اعلان

قادیانیوں کا بحیثیت ایک الگ اور متوازی امت ہونے کے یہ نہ صرف ایک بدیہی حقیقت ہے۔ بلکہ خود مرزائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اعمال میں نہ صرف ایک متوازی امت ہونے کا اعتراف کرتی ہے بلکہ اپنے پیروؤں کو عبادات، معاملات، معاشرت دین و دنیا ہر شعبۂ زندگی میں اس علیحدہ جداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آرہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور الگ گروہ کہنے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ "ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے" ——— (تشحیذ الاذہان جلد ۲ صـ۱۳۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل الیاس برنی صـ۱۷) ان کے خلیفہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ ——— مرزا کی دعوت قبول نہ کرنے والے خواہ انہوں نے مرزا کا نام تک بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (صـ۱۷) ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور لعنت ہے (صـ۱۵) ایسے لوگ خدا و رسولؐ کے نافرمان اور جہنمی ہیں (صـ۱۶) اپنے نہ ماننے والوں کو مرزا کیسے

"پاکیزہ" القاب سے نوازکرتاہے۔ کل مؤمن یقبلنی الا ذریۃ البغایا ــــ میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہوگئے ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدیٰ ص۵۳) ہماری فتح کا قائل نہ ہونے والا ولدالزنا ہے، حلال زادہ نہیں ۔

مرزا کے خلیفہ اور فرزند محمود احمد نے قادیانیت کے نمائندہ کی حیثیت سے گورداسپور کی عدالت میں کہا ۔ کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے (اس لیے) غیر احمدی کافر ہیں (الفضل ۲۶ جون ۱۹۲۲ء) قادیانیت کے عالمی ترجمان ظفر اللہ خان کا محمد علی جناح صاحب کے نماز جنازہ کا انکار کس کو معلوم نہیں ۔ اور جب پوچھا گیا تو ظفر اللہ نے کہا کہ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھئے یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم ــــ مسٹر جناح سے بہت پہلے اسی ظفر اللہ نے اپنے ایک اور محسن سر فضل حسین کے جنازہ سے بھی یہی سلوک کیا اور وہ دور ہندو سکھوں کے ساتھ الگ کھڑے رہے (قادیانی قول و فعل ص۲۳) یہی نہیں بلکہ جب بھی مرزائیوں کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی ، ظفر اللہ نے عدالت میں بھی اس موقف کی تائید کی کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں ۔ (ص۱۹)

ابھی پچھلے سال ایم ایم احمد نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں مرزائیوں کے اسی موقف کو بڑی ڈھٹائی سے دہرایا اور جنازہ کے مسئلہ میں ظفر اللہ کے موقف کی بھی تصویب کی ــــ مسلمانوں کے بارہ میں مرزائیوں کا یہ موقف اتنا کھلا اور واضح ہے کہ ۱۹۵۳ء کی منیر انکوائری نے بھی ہزار بد دیانتی اور جانبدارانہ رویہ کے باوجود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ــــ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بے شمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لیے اس کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں ۔ (رپورٹ ص۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرز عمل ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جدا گانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کے لیے دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی تلقین نہ کی ہو۔ (اسلام اور عصر حاضر ص۳۲۶)

یہی وجہ ہے کہ ان اداریوں اور اسی فرقہ کے متعلق تحقیقی مضامین نے مسلمانوں میں ایک جوش نیا ولولہ اور اس شیطانی و طاغوتی قوت کے خلاف ایک تحریک بپا کی اور ۱۹۷۴ء میں قادیانیت کے خلاف ملک گیر تحریک اٹھی ، جس میں بالآخر مسلمانانِ ملت کی قربانیاں رنگ لائیں ۔ اور اسی شجرۂ خبیثہ کو امت مسلمہ سے باہر پھینک دیا گیا ۔ اور یہ فرقہ غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ۔

ع بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

اور پھر جب قادیانیت اور امتِ مسلمہ کا موقف نامی کتاب کی ترتیب و تدوین کا موقعہ آیا تو والد صاحب مدظلہ نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور یہی مسودہ قومی اسمبلی کے فورم پر سنایا گیا۔ جس میں حضرت مولانا مفتی محمود رح دادا جان حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ، مولانا غلام غوث ہزاروی وغیرہم کا کردار نمایاں تھا۔ اس تاریخی فتح مبین پر الحق رمضان ۱۳۹۴ھ میں والد صاحب مدظلہ ایڈیٹر الحق نے یہ پُرجوش اداریہ نقشِ آغاز تحریر فرمایا۔

۷ ستمبر کا تاریخی اور اسلامی فیصلہ

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی شام کو ان آنکھوں نے قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ کا جو عظیم اور مبارک فیصلہ ہوتے دیکھا اس کے تاثرات اور احساسات کے اظہار سے قطعی طور پر اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں، میرے سامنے وہ نازک لمحات گزر رہے تھے جن کا تقریباً پون صدی سے ملتِ مسلمہ کو انتظار رہا۔ کتنے اہل اللہ تھے جن کی نیندیں مسیلمۂ پنجاب علیہ ما علیہ کی فتنہ سامانیوں کو دیکھ دیکھ کر حرام ہو گئیں تھیں۔ کتنے اکابر علم وفضل اور مردانِ بحث وتحقیق تھے۔ جن کی علم وفکر کی ساری قوتیں اس راہ میں خرچ ہوئیں۔ کتنے اصحاب عشق وعزیمت تھے، جنہوں نے شہنشاہ دوعالم کی بارگاہ میں سرخروئی پانے کے لیے اپنی جانیں لیلائے ناموسِ ختم نبوت پر لٹادیں۔ کتنے ارباب جہد وجہاد تھے جنہوں نے کھلے دل اور کشادہ پیشانی سے اس راہ کی ہر قید وبند کی صعوبتوں کو گلے سے لگایا۔ ؎

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ آنجا کہ نعرہ ہائے ید اللہ مے زنند

کتنے اعاظم صدق وصفا تھے جنہوں نے وصیتیں کیں کہ اگر ایسا یوم مسعود اور فتح مبین ..... دیکھنا نصیب ہو جائے تو ہماری قبروں پر آکر مژدہ سنادیا جائے۔ آج علامہ انورشاہ کشمیری رح اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح کی ارواح خوشی سے جھوم اٹھی ہیں۔ وہ دیکھو اقبال رح، ظفر علی خان رح اور [illegible] کتنے شاداں وفرحاں ہیں۔ ثناء اللہ امرتسری رح کی سرخروئی میں اور بھی اضافہ ہو چکا ہے۔ پیر مہر علی شاہ رح اور محمد علی مونگیری رح کی خانقاہیں جگمگا اٹھی ہیں۔

ختم نبوت کا منطقی مطالبہ

جب کہ وہ خاتم النبیین ﷺ ہیں تو سارے ادیان وملل، احکام وفرامین اور دساتیر وقوانین کا بھی اسی پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہی ختم نبوت کا مطالبہ ہے۔ اب ساری تہذیب، سارے ازم اور سارے تمدن اس کے مدنی تمدن کے سامنے مٹ چکے ہیں۔

آج کے اس عظیم اور بے مثال فیصلہ پر پوری ملت کی طرح میری خوشیوں اور مسرتوں کی انتہا نہیں۔ میں اپنے آپ کو اس احساسِ حمد وثنا اور ان جذباتِ مسرت وابتہاج کے اظہار سے قطعی عاجز پا رہا ہوں۔ پھر بھی

جذبات کے طوفان میں رُواں رُواں خدائے رب العالمین کا احسان مند اور شکر گزار رہنا چاہیئے۔

میرے عزیز قارئین! خدارا مجھے بتایئے، میں ان لامحدود اور غیر فانی مسرتوں کو اپنے محدود اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کیسے سمیٹ سکتا ہوں۔؟

الحمد للہ الذی نصر عبدہٗ وانجز وعدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہ وکفیٰ باللہ شھیداً ـــ اللّٰھم لک الحمد ملأ السمٰوت والارض لا نحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا امام المرسلین یا قائد الخیر یا نبی الرحمۃ یا نبی الانبیا یا امام الرشد والھدیٰ نفدیک بابآءنا واولادنا وارواحنا یا سید المرسلین۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ـ ۱۱ رمضان ۱۳۹۴ھ (اسلام اور عصر حاضر ص ۲۳۶)

بلاشبہ الحق کے وقیع متین اور پر وقار مشن اور صحافتی و سیاسی و علمی انداز نے بہت سے قادیانیوں کو اپنے موقف پر نظر ثانی پر مجبور کیا اور بہت سے لوگ جو کہ اس دام ہمرنگ زمین میں پھنس گئے تھے۔

ع دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

بتوفیق ایزدی اس جال اور شیطانی دلدل سے نکل گئے کیونکہ الحق نے جذبات کے بجائے ایک ٹھوس علمی انداز اپنایا اور سینکڑوں صفحات پر مشتمل مضامین و مقالات اس شجرۃ خبیثہ اور انگریز کے اس تخم فتنہ کی بیخ کنی اور اس فرنگی پودے کی تار و پود اکھیڑنے میں صرف کیے۔

مثلُ کلمةٍ خبیثةٍ کشجرةٍ خبیثةٍ اجتُثّت من فوقِ الارض ما لھا من قرارٍ۔

(جاری ہے)

اعتذار!

حضرت مولانا شہاب الدین ندوی مدظلہ کے مضمون "زکوٰۃ کا اجتماعی نظام" کی تیسری اور آخری قسط کتابت نہ ہوسکنے کے سبب اس شمارے میں شامل نہ ہوسکی لہٰذا قارئین اسے آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرما دیں!

(ادارہ)

بسلسلہ دعوت و تبلیغ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام کے داعی اور مبلغ کیلئے متنوع اور گہرے مطالعہ کی ضرورت

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی اس طویل تقریر کا (جس کو آپ الحق کے گزشتہ شمارہ میں پڑھ چکے ہیں) دوسرا جزء ہے جس میں طلبہ علوم نبوت اور مبلغین اسلام کو مطالعہ بڑھانے اور حالات و زمانہ کی نبض پہچاننے اور اس کے مطابق دعوتی کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی دعوت دی گئی ہے ۔

(ادارہ)

عزیز طلبہ ! عالم اسلام کی جس صورتحال کی تصویر ہم نے پیش کی ہے اس نے ہمارے لیے ایک زبردست چیلنج کھڑا کر دیا ہے ۔ وہ چیلنج یہ ہے کہ ہم کیسے اس کا مقابلہ کریں اور ان چیلنجوں کا جواب کیسے دیں ، ظاہر ہے اس کے لیے بڑی تیاری کی ضرورت ہوگی ۔ اس سلسلہ میں ایک باخبر تعلیم و تدریس کا کام کرنے والے تجربہ کار کی حیثیت سے آپ کو علمی تیاری کے سلسلے میں مطالعہ کا مشورہ دوں گا ۔

عزیز دوستو ! یہ بات یاد رکھیے کہ کورس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں کے درمیان ایک نازک فرق ہے وہ یہ کہ کورس کی کتابوں اور نصاب تعلیم پر ایک خاص قسم کی سرکاری مہر یا کسی خاص جماعت کی اور اس کے انتساب کی مہر لگی ہوتی ہے اس لیے وہ ایک طرح سے حجاب بن جاتا ہے ۔ لیکن مطالعہ کی کتابوں میں ایسا نہیں ہوتا ۔ مطالعہ کی کتابیں اپنے شوق و رغبت سے خریدی جاتی ہیں اور ان کا انتخاب مرضی کے مطابق کیا جاتا ہے اور آزادی کے ساتھ وہ پڑھی جاتی ہیں اس لیے ہم مطالعہ کی کتابوں اور ان کے مواد کے نتائج کو نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ کورس کی کتابوں کی تنقیص یا اس کی تحقیر کوئی کیسے کر سکتا ہے ۔ کورس بہرحال کورس ہے اس پر محنت کرنی چاہیئے ۔ وہی کامیابی و ناکامی کا امتحان اور پیمانہ ہے ۔

غلط کتابوں کے مطالعہ سے جو ذہن تیار ہو رہے ہیں اور جو طبقہ اس وقت دانشور کہلاتا ہے وہ اس بات کا قائل نہیں کہ اسلام ایک زندہ اور ابدی مذہب ہے اور وہ ہر زمانہ میں اور تغیر پذیر دنیا میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ اس کا عقیدہ اور خیال یہ ہے کہ اسلام ایک اچھا مذہب تھا ۔ اس نے آج سے چودہ سو سال پہلے اچھا کام کیا تھا ، اس نے زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو مزید زندہ درگور ہونے سے

بچایا تھا۔ علم کو اس نے عام کیا تھا۔ لیکن اس جدید دور اور سائنس و ٹیکنالوجی کے اس عہد میں اس کا کوئی کام صحیح نہیں ہے اس زمانہ میں بار بار اسلام کا نام لینا اور شریعت پر عمل کرنے کی دہائی دینا صحیح نہیں ہے اس طرح کی دعو گویا زمانہ سے واقفیت کی بات ہے ایسی کتابوں کے مطالعہ کے برعکس ایک صالح و مصلح اور ایک ایمان افروز او یقین آفریں ادب اور انسانیت ساز اور اخلاق ساز ادب کا مطالعہ اور اس کے نتائج کو دیکھئے کہ ایسے ادب کا مط اتنا ہی مؤثر اور مفید ہے جتنا وہ مضر اور نقصان دہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ جن سے کام لے رہا ہے اور جن سے اس نے کام لیا ہے ان میں صلاح اور استعداد پیدا ہونے اور ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بہت دخل اس صالح ادب کے مطالعہ کو تھا جس نے ہمیشہ آڑے وقتوں میں ہلاکت کے غار میں گرنے سے بچایا ہے اس کی میں چھوٹی سی مثال دیتا ہوں

جس زمانہ میں الندوہ، مولانا عبدالسلام قدوائی اور ہماری ادارت میں نکل رہا تھا ہم نے مشاہیر اہل ع سے درخواست کی تھی کہ آپ حضرات ایک مضمون لکھ کر یہ بتائیں کہ آپ کی محسن کتابیں کون سی ہیں تاکہ ہمارے رسالہ کے پڑھنے والے اور طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیر مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا اعزاز علی صاحب جیسے علماء و ادباء کے ساتھ جدید ط کے بعض اہل علم اور فضلاء کے مضامین اس موضوع پر آئے۔ یہ تمام مضامین بعد میں الگ سے بھی کتابی صورت میں شائع کر دیئے گئے تھے۔

ان تمام مضامین میں ایک مضمون لاہور کے مشہور فاضل بشیر احمد ڈار آکسن کا بھی تھا۔ انہوں نے لکھا کہ میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو مجھ پر بار بار تشکیک اور الحاد کا حملہ ہوتا تھا۔ کبھی کمیونزم کا حملہ ہوتا تھا۔ ایسے م پر علامہ شبلی کی کتاب الفاروق ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی تھی کہ وہ شخصیت جس کے بارے میں یہ کتا لکھی گئی ہے وہ گمراہ نہیں ہو سکتی وہ شخصیت جس دین پر تھی اور جس کے قلم سے یہ لکھی گئی ہے اس کو ہم گمراہ نہ مان سکتے، حق اس کے ساتھ ہے ہم کو تو اس کی زندگی کے مطابق اپنی زندگی گذارنی چاہیئے۔ اور اس پر م چاہیئے۔ ایسے ہزاروں اور لاکھوں واقعات ملیں گے کہ صحیح مطالعہ بلکہ زبان و علم افروز مطالعہ نے ان کی زن میں انقلاب برپا کر دیا۔

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات تنہا ایمانی طاقت کو غذا پہنچانے والی اور ایمان کے سے اپیل اور مطالعہ کرنے والی چیزیں کافی نہیں ہوتیں اس کے ساتھ علمی وزن اور طرز نگارش اور نفسیا شناسی بھی چاہیئے، جن کتابوں میں ان امور کا لحاظ رکھا گیا۔ انہوں نے زندگیوں کو بنا دیا اور اپنی زندگیوں ذریعہ انہوں نے پورے معاشرے پر اثر ڈالا۔

میں دوسروں کے سنے سنائے واقعات کے بجائے خود اپنا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب میں اُردو پڑھنے کے
بل ہوگیا تو سب سے پہلے جس کتاب نے ہمیں متاثر کیا وہ سیرت خیر البشر تھی ۔

میں چونکہ مکتبات کی فہرست دیکھنے کا عادی تھا لکھنؤ میں شبلی بکڈپو اور بمبئی میں عربی کتب کا واحد مکتبہ
ہ تھا میں نے فہرست میں رحمۃ للعالمین نامی کتاب کا اشتہار دیکھا جو قاضی سلیمان منصورپوریؒ کے قلم سے لکھی ہوئی
ھی ۔ میں نے اس کتاب کا آرڈر دیدیا جب وہاں سے کتاب کی وی پی آئی تو میرے پاس اس کے چھڑانے
ے لیے پیسے نہیں تھے ۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا ۔ والدہ صاحبہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ
ہ دیتیں ۔ حالانکہ اس زمانہ میں کتابوں کی قیمت بہت کم ہوا کرتی تھی ۔ والدہ صاحبہ نے قیمت دینے سے
معذرت کردی ۔ اب کیا کروں ۔ اس نازک صورتحال کو دیکھ کر میں بھی ان خورد سال صحابۂ کرام کی طرح رونے
لگا جو جہاد میں شامل نہ کیے جانے پر رو رہے تھے ۔ والدہ صاحبہ نے مجبور ہو کر کہیں سے اس کا انتظام کیا اور وہ
ی پی ہم نے چھڑالی ۔ ہم نے اس کتاب کو پڑھا، بلکہ ہم اس کتاب میں ڈوب گئے ۔ اس زمانہ میں ہمارے ایک
زیز میڈیکل کالج میں داخل تھے ۔ ہم وہاں رہتے تھے ۔ ایک استغراق کا عالم تھا ۔ کالج کی شاندار عمارت کے
نیچے اور سڑکوں پر آنے جانے والوں کی ہمیں کوئی خبر نہیں ہوتی تھی ۔ ہماری آنکھیں ان کے بجائے بدر واحد کے
میدانوں کو زیادہ دیکھتی تھیں اور وہاں کی شہادت گاہوں کو دیکھتی تھیں، پروفیسروں اور طلبہ کو دیکھنے کے بجائے
ہماری آنکھوں میں بدر واحد کے مجاہدین اور خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کا تصور بسا ہوا تھا ۔ ایک طرح سے
میں اس کتاب میں فنا ہو گیا تھا ۔

یہ بھی ایک معمہ ہے جو ابھی تک سمجھ نہیں سکے کہ کانپور میں ۱۹۲۶ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ تھا اس
میں مولانا سلیمانؒ منصورپوری بھی آئے تھے ۔ انہوں نے ہمارے بھائی صاحب مرحوم سے پوچھا کہ ہم نے آپ کے
چھوٹے بھائی ابوالحسن کو کتاب رحمۃ للعالمین بھیجی تھی وہ ملی یا نہیں ان کے دل میں یہ کیسے خیال آیا کہ ان کا چھوٹا
بھائی اس کتاب کو پڑھے گا اور اسے فائدہ ہوگا ۔

ہمارے گھر پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ۔ ہمارے چچا سید فاروق صاحب کے گھر میں مولانا شبلیؒ
مولانا سید سلیمانؒ ندوی اور مولانا حالیؒ وغیرہ کی کتابیں تھیں، ان میں الفاروق اور الغزالی، بھی تھی' اور حیات سعدی
بھی، ایک اور کتاب بھی ارشاد رحمانی جو مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء کی کتاب تھی، جس میں انہوں
نے اولیں زمانہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں اپنی حاضری، ان کی نگاہِ شفقت اور ان کی تاثیر اور
برکتوں کا ذکر کیا ہے، اس کتاب نے بھی مجھ پر بڑا اثر ڈالا پھر اور کتابیں دیکھنے میں آئیں ۔ اس کے بعد وہ زمانہ
آیا جب ہم نے انگریزی اتنی پڑھ لی کہ جدید مغربی مصنفین کی کتابوں سے استفادہ کرسکیں ۔

ہم یہاں آپ کو ایک حقیقت سے باخبر کرنا چاہتے ہیں۔ ایک چیز ہوتی ہے فیکٹر FACTOR اور دوسری چیز ہوتی ہے ایکٹر ACTOR، ہم نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مسلمان خربوزہ کی طرح ہے وہ چھری پر گرے تو اس کا نقصان اور چھری اس پر گرے تو خربوزے کا نقصان یعنی مسلمانوں میں صرف اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہے اثر ڈالنے کی نہیں۔ ہمارے گھر میں جو ماحول تھا وہ اعتدال اور توازن اور حقیقت پسندی کا تھا ایک طرف ہمارے بھائی صاحب تھے جو ندوہ کے فاضل، دیوبند کے فاضل، دوسری طرف سائنس کے بہترین طالب علم میڈیکل کالج میں امتیاز کے ساتھ انہوں نے امتحانات پاس کیے اور انہیں سونے کا تمغہ بھی ملا تھا۔ دوسری شخصیت ہمارے پھوپھا سید طلحہ صاحب کی تھی جو ایک طرف ایم اے تھے تو دوسری طرف مشرقی علوم کے فاضل ان دونوں کی گفتگو میں بڑا توازن اور حقیقت پسندی تھی۔

یہ نکتہ آپ یاد رکھیے کہ محض مبالغہ اور ادعا سے کام نہیں چلتا۔ یہ چیز اکثر مضر ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ مغربی تہذیب کچھ نہیں، اس میں کوئی چیز قابل استفادہ نہیں، ٹھوکر مارنے کی چیز ہے لیکن جب آدمی کو اس کے خلاف کوئی ثبوت ملے گا یا اس کو تجربہ ہوگا۔ سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد کا تو وہ پھر منکر ہو جائے گا۔ اور وہ صرف منکر ہی نہیں بیزار ہو جائے گا۔ اس لیے یہ حقیقت ان لوگوں کو سامنے رکھنی چاہیئے جو دعوت وتربیت کا کام کرتے ہیں کہ انہیں توازن واعتدال اور حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیئے۔ نہ یہ کہ انکار پر آئے تو سو فیصدی انکار کہ اس مغربی علوم میں کوئی خوبی نہیں، مغربی علوم میں بہت سی چیزیں قابل استفادہ ہیں اور قابل قدر ہیں۔ ان کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہیں ان میں اخلاقی عنصر اور ان کے اندر تربیتی صلاحیت، خوف خدا پیدا کرنے اور ضمیر کو بیدار کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یہ حقیقت بھی یاد رکھیے کہ عدم توازن بعض اوقات ارتداد تک پہونچا دیتا ہے اور آدمی کا رخ بدل دیتا ہے ان دونوں حضرات کی محبت اور گفتگو سے حقیقت پسندی پیدا ہوئی۔ امریکی مصنف ڈریپر کی مشہور کتاب "معرکۂ مذہب وسائنس" اور لیکی کی "تاریخ اخلاق یورپ" ان دونوں کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے مذہب وسیاست کے درمیان کشمکش کے موضوع پر علامہ اقبال نے کہا ہے۔

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں — کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین ودولت میں جس دم جدائی — ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا — بشیری ہے آئینہ دار نذیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

مسیحی مذہب اور اس کے اجارہ دار کلیسا کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ زندگی کی رہنمائی کرتا اس کی وجہ سے کلیسا اور سیاست کے درمیان ایک رقابت بلکہ محاذ آرائی ہونے لگی۔ کلیسا میں کیا کمزوریاں تھیں اور سیاست کیا چاہتی تھی اور اس دور میں سیاست تھی کیا اس کتاب معرکۂ مذہب و سائنس سے ہمیں بڑا فائدہ پہونچا۔

دوسری کتاب تاریخ اخلاق یورپ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ یورپ کے اخلاق اور اس کے معاشرہ کی تشکیل میں مادہ پرستی کا جو کردار رہا اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں۔ وہ اس کتاب سے معلوم ہوا۔

پھر ایک تیسری کتاب لندن یونیورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کے صدر کی کتاب A GUIDTO MODERN WICKEDNESS پڑھنے کو ملی جس میں اس نے یہ بتایا ہے کہ اس وقت کی خباثت کیا ہے دوسری کتاب A NEWPHILOSOPHY FOR OUR TIMES پڑھنے کو ملی جس سے بڑا فائدہ ہوا۔

یہ دونوں کتابیں مولانا عبدالماجد دریا بادی کے ذریعہ ملیں۔

یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ بتانا آپ کو یہ ہے کہ ان کتابوں کے مطالعہ نے یہ صلاحیت ہی نہیں بلکہ داعیہ اور داعیہ ہی نہیں بلکہ ایک اضطرابی کیفیت پیدا کی ہم ایسی کتاب لکھیں جس میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کا ارتقاء اور عروج کا ــــ اور مسلمانوں کا انحطاط دنیا کے اخلاقی، انسانی، معنوی، ذہنی، مذہبی، معاشرتی اجتماعی اور سیاسی ہر طرح کے انحطاط کا سبب ہے۔ یہ موضوع بالکل نیا تھا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ القاء تھا اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کو لکھا ہماری حقیر ذات سے کچھ کام لینا تھا۔ ممالک عربیہ میں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے لکھوائی۔ عرب نوجوانوں اور دانشوروں اور مفکرین نے پڑھا۔ سیّد قطب جیسے چوٹی کے لوگ جو وہاں تھے انہوں نے جس نظر سے دیکھا پھر اس کتاب سے نئے طبقہ پر جو اثر پڑا، جس احساس کمتری میں عرب ممالک کے نوجوان، ادیب اور اہل قلم مبتلا ہو رہے تھے اس میں فرق پڑا اس کے بعد اور کتابوں کے لکھنے کی توفیق ہوئی۔

اب میں چند کتابوں کے نام لیتا ہوں۔ آپ ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں۔ ایک تو آپ سیرت کے موضوع پر علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتابیں ہیں، اس کتاب "سیرت النبیؐ" کو اوّل درجہ کی کتاب عرب ممالک میں مانا گیا ہے۔ سید صاحب کی کتاب خطبات مدراس کا ضرور مطالعہ کریں، اس کے ساتھ صحابہ کرام، خلفائے راشدین کی سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں اپنے مطالعہ میں رکھیں، علامہ شبلی کی الفاروق، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی سیرۃ الصدیق، اور ہماری حقیر تصنیفات میں المرتضیٰ، ماذا خسر العالم اور اس کا ترجمہ۔ انسانی دنیا

پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ضرور پڑھیں۔ یہ وہ بنیادی کتابیں ہیں جو آپ کے ذہن سے اپنے نظام تعلیم، نظام فکر اور اس سے آگے بڑھ کر اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات کے بارے میں اگر احساس کمتری ہے اس کو دور کریں گی۔ تاریخ دعوت وعزیمت کے پانچوں حصے بھی آپ پڑھیں، میں بغیر کسی تواضع اور معذرت کے کہتا ہوں کہ یہ اپنے موضوع پر بالکل منفرد کتاب ہے، ابھی تک کسی اسلامی زبان میں اس طرح تاریخی تسلسل، دینی وتاریخی، نقطۂ نظر اور بحث وتحقیق کے ذریعے پھر مؤثر طریقے سے مصلحین امت اور مجددین ملت کا تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ اس کا انگریزی، عربی، ترکی اور فارسی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

نقوشِ اقبال یا روائع اقبال بھی آپ پڑھیں ابھی جو نظم پڑھی گئی۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا، اقبال کو عشق رسول سے حصۂ وافر ملا تھا میں دو مرتبہ ان سے ملا ہوں اس وقت بہت کم لوگ زندہ ہوں گے جو اقبال سے ملے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا۔ میں ان کی مجلس میں بیٹھا، ان کی باتیں سنیں۔ ان کے انتقال سے چند مہینے پہلے ان سے ملا تھا۔ مدینہ منورہ کا نام سن کر ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔

ایک بار مدینہ منورہ میں مجھے بعد نماز مغرب تقریر کے لیے مدعو کیا گیا۔ مجھے شرم آئی کہ میں اللہ کے محبوب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ اگر کسی اور شخصیت کے بارے میں یہاں تقریر کروں تو یہ زمین میں گڑ جانے کی بات ہے اور سخت شرمندگی اور تائب ہونے کی بات ہے، میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ جوار رسولؐ میں غیر رسول پر تقریر کرنے کا اگر جواز ہے تو یہ کہ جس شخصیت (اقبال) کے بارے میں مَیں تقریر کرنے جا رہا ہوں وہ عاشق رسول تھے۔ پھر میں نے دو شعر ان کے فارسی کے پڑھے۔

باایں پیری رہ یثرب گرفتم   نواخواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام   کشاید پر بہ فکر آشیانہ

میں بڑھاپے میں مدینہ منورہ کی طرف چلا تو لوگوں نے کہا کہ یہ عمر اور مدینہ کا سفر، یہ عمر اور عرب کا سفر کہاں جا رہے ہو اور کیا سوچ رہے ہو۔ میں نے کہا کہ پرندہ دن بھر اڑتا رہتا ہے مارا مارا پھرتا ہے لیکن شام ہوتے ہی وہ تیر کی طرح اپنے آشیانہ کی طرف جاتا ہے میں بھی اپنے آشیانہ کی طرف جا رہا ہوں ——— مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ مہاراجہ کپور تھلہ نے فارسی میں کسی قانونی دستاویز کا انگریزی میں ترجمہ کرانے کے لیے ڈاکٹر اقبال کو بلایا ان کی رہائش کے سارے انتظامات کیے۔ رات کو اچانک مہاراجہ کو خیال آیا کہ کہیں ڈاکٹر صاحب کو کوئی ضرورت نہ ہو، یہ دیکھنے کے لیے جب گئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب مسہری پر آرام کرنے کے بجائے زمین پر لیٹے ہوئے ہیں، مہاراجہ نے کئی بار پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے خیال آیا کہ میرے آقا تو زمین پر لیٹتے تھے

میں چارپائی پر لیٹوں ۔ مجھ سے بیٹھا نہیں گیا ۔

اس لیے آپ کو مشورہ دوں گا کہ کلام اقبال میں بال جبریل اور ضرب کلیم ضرور پڑھیئے ، فکر کا بھی فائدہ ہوگا اور ادبی فائدہ بھی ہوگا ۔ ہم نے بعض عرب فضلاء کو دیکھا ہے کہ وہ روائع اقبال کے صفحے کے صفحے زبانی پڑھتے تھے ان میں عمان کے مفتی خلیلی بھی ہیں ۔

مولانا یوسف صاحب کی مقبول ترین کتاب حیاۃ الصحابہ آپ ضرور پڑھیں اس میں صحابہ کرام کے مؤثر اور طاقتور ترین واقعات ہیں اس کتاب کے پڑھنے سے احساس کمتری کے دور کرنے میں مدد ملے گی ۔

ہمارا رسالہ اسلامی بیداری کی لہر یا عربی تحریر ترشید الصحوۃ الاسلامیہ ضرور پڑھیں ۔ اس وقت دینی جماعتوں میں کیا کمزوریاں ہیں مسلمانوں کے کیا طبقات ہیں اور ان کی ضرورتیں کیا ہیں ، ان کے عقلی مدارک کیا ہیں اور کس زبان اور کس مواد کی روشنی میں ان سے بات کرنی چاہیئے ۔ اور کس لہجہ میں ان سے خطاب کرنا چاہیئے اس میں بتایا گیا ہے کہ بہت سی تحریکیں جمود توڑنے کے لیے پیدا ہوئی ہیں لیکن وہ خود جمود کا شکار ہو جاتی ہیں ۔ ان پر کائی جم جاتی ہے جیسے ساحل پر کائی جم جاتی ہے ۔ اس کائی کو ایک مرتبہ ہٹانا کافی نہیں ہوتا بلکہ بار بار دیکھنا چاہیئے ۔ آپ کو چونکہ دعوتی کام کرنا ہے اس لیے ان کتابوں کو پڑھنے سے آپ کی ذہن سازی ہوگی اور آپ کو فکری غذا فراہم ہوگی ۔ دعوت کے موضوع اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ اور نشأۃ اسلامیہ پر ہمارے مقالات اور تقریروں کا مطالعہ کریں ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

عالم اسلام

حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

سقوط سبرانیکا، صدی کا سب سے بڑا المیہ

اقوام متحدہ کا شرمناک کردار

فاضل مقالہ نگار کی تحریر گو تاخیر سے موصول ہوئی مگر اقوام متحدہ کے پچاس سالہ جشن کے حوالے سے عالم اسلام بالخصوص بوسنیا کے سلسلہ میں اسکا مذموم کردار اور سقوط سبرانیکا کے بہت سے اہم گوشوں سے متعلق تفصیلات اور افادیت کے پیش نظر نذر قارئین ہے۔

پاکستان میں بوسنیا سفیر ساجدہ سلاجک نے کہا کہ سبرانیکا کا سقوط عالم اسلام کے لیے اس صدی کا بہت بڑا المیہ ہے بوسنیا کی پکار پر کوئی ہماری مدد کو نہیں آیا جس کے نتیجہ میں سقوط سبرانیکا کا سانحہ رونما ہوگیا۔ ساجدہ سلاجک نے کہا کہ سبرانیکا کی ساٹھ ہزار آبادی ہفتوں محصور رہی وہاں سربوں نے ظلم کی انتہا کردی مگر حقوق انسانی کی تنظیمیں چپ سادھے رہیں کسی نے بھی سربوں کے ظلم کی مذمت نہیں کی۔ ابھی تک سینکڑوں خاندانوں کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔

(جنگ ۱۸ر جولائی ۹۵ء)

بوسنیا کے وزیر خارجہ شاکر بے نے بھی برطانوی اخبارات اور ٹیلیویژن کو دیئے گئے انٹرویو میں پھر سے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ سربوں کے مظالم اپنے انتہا کو پہنچ رہے ہیں۔ اور دنیا کے حکمران ان مظالم کو کھلی آنکھوں دیکھنے کے باوجود خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ نے بوسنیا کے معاملے میں جو رول ادا کیا ہے اس نے ہمارے ساتھ اور زیادتی کی ہے۔ اگر ساری دنیا کے ممالک ہماری مدد کے لیے تیار نہیں تو کم از کم ہمیں اپنے دفاع کا حق دیا جائے تاکہ ہم اپنے وطن اور اپنی زمین کی حفاظت کر سکیں۔

بوسنیا کے مسلمان گزشتہ چار سال سے سرب جارحیت کا شکار ہیں۔ شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو جس دن سرب فوجوں کی جانب سے گولہ باری نہ ہوتی ہو اور مسلمان مرد اور عورت و بچے اور بوڑھے ان کی درندگی کا نشانہ نہ بنتے ہوں یہ کھیل صرف سرائیوو تک محدود نہیں بلکہ جن جن علاقوں میں مسلمان آباد یا پناہ گزین ہیں ان تمام علاقوں میں سرب جارحیت اور درندگی کھلے عام ہو رہی ہے۔ قتل و غارت گری۔ عصمت دری۔ اجتماعی قتل۔ گھروں اور دیگر املاک کی بربادی سرب فوجوں کا کوئی نیا کھیل نہیں یہ روز اوّل سے جاری ہے۔ دنیا بھر کے اخبارات اور یورپ کے ذرائع ابلاغ ان مناظر کو پیش کر رہے ہیں اور اس کے شواہد سامنے لا رہے ہیں اور علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ سرب درندوں کا واحد مقصد اس پورے علاقے میں مسلمانوں کا خاتمہ ہے۔ یورپ اور امریکہ کے نیوز کاسٹر اور رپورٹروں کی زبان نسلی تطہیر ـــــ کا جملہ بار بار دہرانے سے نہیں تھک رہی ہے۔ پھر بھی سرب درندے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ جو قرار دادیں اور فیصلے کیے جاتے ہیں

یہ ظالم ایک ایک کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ جونہی سرب جارحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یورپ کے وزراء کچھ ایسے فیصلے ضرور کرتے ہیں جن سے یہ تاثر دینا مقصود ہوتا ہے کہ مہذب قومیں اب اس جارحیت کو برداشت نہیں کریں گی لیکن وہ فیصلے اس قدر کمزور ہوتے ہیں کہ جن پر نہ وہ خود عمل کر سکتے ہیں اور نہ ہی سرب رہنما ان فیصلوں کو کوئی اہمیت دیتے ہیں

کون نہیں جانتا کہ یورپ کے زعماء اور عالمی بزرجمہروں نے اس لڑائی کو محدود کرنے اور اسے ختم کرنے کے نام پر سابق یوگوسلاویہ پر اسلحہ کی پابندی عائد کر دی کہ کوئی فریق کسی سے اسلحہ نہیں حاصل کر سکتا۔ اس فیصلے پر اقوام متحدہ نے لبیک کا نعرہ لگایا۔ اور اس کی نگرانی کے لیے قوانین وضع کیے گئے۔ ہوائی اور بحری جہازوں اور بری راستوں پر فوجی متعین کیے گئے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن کس کے لیے؟ کیا سب فریق کے لیے یہ قوانین تھے اور کیا سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا گیا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ سرب رہنما اور ان کی فوجوں کو اسلحہ ملتا رہا۔ وہ ہر فیصلے کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اور پوری قوت کے ساتھ بوسنیا کے مسلمانوں کو دبانے اور ان کو مٹانے کے لیے ایک منظم منصوبے کے تحت آگے بڑھتے رہے۔ اقوام متحدہ نے نوفلائی زون (NO FLY ZONE) بنایا تو سرب نے اس کی مخالفت کی۔ انہیں اپنے ہتھیار جمع کرانے کا حکم دیا تو اس کی مخالفت کی گئی بلکہ جمع شدہ ہتھیاروں کو اقوام متحدہ کی نگراں فوج کے سامنے چھینا گیا۔ ادھر بوسنیا کے مسلمانوں پر یہ پابندی برابر عائد رہی۔ ان کی نگرانی ہوتی رہی کہ کہیں سے انہیں اسلحہ نہ ملنے پائے۔ انہوں نے اگر اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھائے تو یہ چیخ پڑے کہ تم ایسا نہ کرو اس سے جنگ کی شدت میں اضافہ ہو جائے گا کھلے عام ظلم و زیادتی درندگی و سفاکی کے نتیجے میں دفاع کا حق مانگا تو انہیں یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ اس کی اجازت نہیں مل سکتی۔ البتہ تمہارے شہروں اور علاقوں کی اقوام متحدہ حفاظت کرنے کا ذمہ لے رہا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں کو کیا پتہ تھا کہ یہ اقوام متحدہ بوسنیا کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کو روکنے کے لیے نہیں بلکہ ظالم کی حوصلہ افزائی کرنے آیا ہے۔ وہ ایک نظر برداشت نہیں کر سکتا کہ کسی جگہ مسلمانوں کا سربلند ہو سکے۔ یورپ اس بات کو کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے درمیان ایک اسلامی مملکت وجود میں آجائے۔ بوسنیا کے رہنما نے اقوام متحدہ کے بنائے گئے جال میں کچھ اس طرح پھنس گئے کہ اب سوائے حامی بھرنے کے اور کچھ چارہ نہ تھا۔ اقوام متحدہ نے بوسنیا کے مسلمانوں اور دیگر اسلامی حکومتوں کو خوش کرنے کے لیے اعلان کر دیا کہ بوسنیا کے فلاں فلاں شہر اور علاقے محفوظ علاقے قرار دے دیئے گئے ہیں۔ اب ان علاقوں کی نگرانی اقوام متحدہ کرے گا۔ وہاں نہایت ہی قلیل تعداد میں فوجی (کمزور ہتھیاروں کے ساتھ) متعین کر دیئے گئے۔ ان علاقوں کے مسلمانوں سے ان کے ہتھیار لے لیے گئے۔ یہ یقین دہانیاں اور بھاری بھرکم اعلانات کچھ اس انداز میں نشر کیے گئے کہ گویا اس علاقے کی طرف بری نگاہ اٹھانے والا اپنی موت کو دعوت دے گا۔

مگر ہوا کیا؟ سب نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ جن جن علاقوں کو محفوظ علاقہ قرار دیا گیا تھا وہی علاقے سرب درندگی اور جارحیت کا شکار بنے۔ انہیں علاقوں کو تباہ و برباد کیا گیا۔ وہاں کے مردوں کو گرفتار، ان کی عورتوں کی عصمت دری

اوران کی املاک کی تباہی سب کے سامنے ہے ۔ سرب درندے جب انہیں علاقوں میں آتے تو وہاں متعین اقوام متحدہ کے فوجی
یہ کہہ کر رخصت ہو جاتے کہ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے ۔ ہمارا دائرہ اختیار محدود ہے ۔ انہوں نے ہم پر حملہ نہیں کیا اس
لیے ہم بھی جوابی کاروائی کرنے کے ہرگز مجاز نہیں ۔ کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں کہ آخر تم نے ان علاقوں اور یہاں مقیم مسلمانوں
کی حفاظت کرنے کا وعدہ اور ذمہ کس لیے کیا تھا ؟ ۔ ادھر سرب رہنما اوران کی فوج ان علاقوں کو تاراج کرتی اور ادھر
اقوام متحدہ اور نیٹو میں قرار دادیں پاس ہوتی ۔ نہ مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کی جاتی نہ ان کی مدد ۔ اور نہ سرب جارحیت
کو روکنے کے لیے کوئی مستقل منصوبہ بندی ۔ اس طرح بوسنیا کے ایک ایک شہر اور علاقے سرب درندوں کے قبضے میں آتے
رہے ۔ جن میں سبرانیکا کا علاقہ بھی ہے ۔ یہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس خیال سے مقیم اور پناہ گزین تھی کہ اقوام
متحدہ نے اس علاقہ کو محفوظ علاقہ قرار دے کر اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے ۔ لیکن سربوں کی مسلسل گولہ باری اور
اقوام متحدہ کی عیارانہ پالیسی اور خاموشی کی وجہ سے ہزاروں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا ۔ جو مرد بچ گئے انہیں گرفتار کر لیا
گیا اوران پر جنگی جرائم کا جرم عائد کر کے اپنے خاندانوں سے جدا کر دیا گیا ۔ ان کی عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کی گئی ۔ یہاں
موجود اقوام متحدہ کے فوجی خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے تھے ۔ ان کی آنکھوں کے سامنے انسانی حقوق کی پامالی اور بربادی ہو رہی
تھی ۔ لیکن کسی رہنما نے یہ زحمت گوارا کرنے کی کوشش نہ کی کہ سرب درندوں کا ہاتھ پکڑ سکے اور انہیں انسانی حقوق کا واسطہ
دے کر اس ذلیل ترین اور وحشیانہ عمل سے روک سکے ۔ اس منظر کو دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ یہ سارے فوجی (یعنی
سرب اوراقوام متحدہ کے فوجی) گو الگ الگ لباس اور ٹوپی پہنے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت ایک ہی ہیں اور سب کا مقصد ان
مسلمانوں کی تذلیل اور ان کو نیست و نابود کرنا ہے ۔

کیمبرج یونیورسٹی لندن کے ماڈرن تاریخ کے لیکچرار ڈاکٹر رابرٹ تھامس کا کہنا ہے کہ اقوام متحدہ کو بہت پہلے سے
اس بات کا علم تھا کہ سبرانیکا پر سربوں کا حملہ ہوگا اور اس محفوظ علاقہ پر سرب قابض ہو جائیں گے ، وہ لکھتے ہیں کہ سبرانیکا میں متعین
اقوام متحدہ کی فوج کے ایک نہایت ہی اہم ذمہ دار نے کہا ۔

WE KNEW FOR MONTH THAT THE BOSINIAN SERBE
PLANNED TO TAKE THE SERBCENICA. SIAD ONE
HIGHLY PLACED ON MILITARY OFFICIAL IT WAS
JUST QUESTION OF WHON. (DAILY TECEGRA)
(16-JULY 95)

یعنی ہمیں مہینوں پہلے سے اس کا بخوبی علم تھا کہ البتہ سوال یہ تھا کہ یہ حملہ کب ہوگا ؟ ۔ یعنی ابھی اجازت نہیں
ملی تھی پھر جس دن اجازت مل گئی سربوں نے ظلم وستم کی انتہا کر دی اور اقوام متحدہ اور مغربی ممالک ان مظالم کو

کھلی آنکھوں دیکھتے رہے اور اس کی پوری پوری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اگر اقوام متحدہ میں ذرا سی دیانت ہوتی تو وہ آنے والے ان خطرات کے سدباب کے لیے بہت کچھ کر سکتی لیکن نہیں! کیونکہ وہ خود یہ کردار ادا کر رہی تھی۔

لندن سے شائع ہونے والے اخبار سنڈے ٹائمز کی ایک رپورٹ میں بتلایا گیا کہ سقوط سبرانیکا کے حادثہ میں اقوام متحدہ کے فوجی بے بس نہ تھے بلکہ سربوں کی کاروائیوں میں درپردہ شریک رہے۔ اخبار کے مطابق سرب فوجی مسلمان عورتوں سے یہ کہتے کہ تم اسلامی ریاست میں کیا کرو گی کیونکہ ہم تمہارے مردوں کو یہاں قتل کر دیں گے۔

اخبار نے مزید لکھا کہ اقوام متحدہ کے کمانڈر فتح کا جشن سرب جنرلوں کے ہمراہ شراب نوشی کرتے ہوئے مناتے رہے۔ مسلمانوں کے مکمل انخلاء سے قبل اور اس کے بعد بھی اس شہر پر آگ کے گولے برستے رہے اور یہاں مسلمانوں کی ایک ایک یادگار مٹادی گئی۔ خبر میں بتلایا گیا کہ ۲۰ ہزار سے زائد مسلمان مرد لاپتہ ہیں جب کہ کئی ہزار مسلمان مردوں کو قتل کر دیا گیا ہے اقوام متحدہ کے ایک ترجمان سے جب پوچھا گیا کہ سبرانیکا کے جن مسلمانوں کو سرب فوجوں نے گرفتار کیا ہے وہ کہاں اور کس حالت میں ہیں تو انہیں جواب دیا گیا کہ معلوم نہیں وہ ہزاروں مرد کہاں ہیں؟ اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان کا اتہ پتہ معلوم کریں۔" اور آج تک کسی کو معلوم نہیں کہ ان مسلمان مردوں کا کیا ہوا ہے۔ نہ مغربی رہنماؤں نے پوچھا کہ انہیں کس مقام پر رکھا گیا ہے۔ نہ حقوق انسانی کی تنظیموں اور اداروں نے یہ پوچھنا پسند کیا کہ ان لوگوں کو حقوق انسانی حاصل ہیں یا نہیں۔ اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ کسی اسلامی ملک کے حکمران نے اقوام متحدہ سے یا اس کے نمائندے نے اقوام متحدہ کی مجلس عام میں ان مسلمان مردوں کے بارے میں کچھ پوچھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ فالی اللہ المشتکی۔

ابھی سقوط سبرانیکا پر تبصرے اور بیانات جاری تھے اور عالم اسلام کے لیڈروں کی بے حسی کا ماتم کیا جا رہا تھا کہ خبر نشر ہوئی کہ بوسنیا کے دوسرے شہر زیپا پر بھی سرب فوجوں نے شدید حملہ کر دیا ہے۔ اور ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔ چاروں طرف سے شہر کو گھیرا جا چکا ہے۔ یہ حملہ اچانک نہ تھا بلکہ بہت پہلے سے یہ اعلانات چلے آ رہے تھے کہ سبرانیکا کے بعد دوسرے علاقوں پر سرب فوجوں کا حملہ ہونے والا ہے۔ اور ان تمام شہروں کو جو بوسنیا کے مسلمانوں کے پاس ہیں سرب حکومت کا اس پر قبضہ ہوگا۔ اخبارات اور ٹیلیویژن پر اس منصوبے پر تبصرے ہوتے پائے گئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اقوام متحدہ کو بھی اس کا علم تھا کہ سرب سبرانیکا کے بعد زیپا پر حملہ کرنے والے ہیں اور مغربی حکمرانوں کو بھی اس منصوبے کا اچھی طرح پتہ تھا۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ شہر بھی اقوام متحدہ کا طے کردہ محفوظ علاقہ تھا۔ اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اقوام متحدہ نے لے رکھی تھی اور اس کی مخالفت پر دھمکیاں بھی دی جا چکی تھیں۔ لیکن سرب فوجوں نے ان تمام دھمکیوں کے باوجود اقوام متحدہ کے کچھ فوجی یرغمال بنا لیے اور دھمکی دی کہ اگر اقوام متحدہ یا نیٹو نے سرب فوجوں کے راستے میں رکاوٹ پیدا کی تو ان کے فوجیوں کی جان کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں۔ بوسنیا کی مسلمان حکومت نے اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا کہ زیپا شہر کی حفاظت

کی جائے۔ اوران کے ساتھ کیے گئے وعدے پورے کیے جائیں۔ لیکن اقوام متحدہ نے حکم جاری کر دیا کہ زیپا میں متعین اقوام متحدہ کے فوجی اپنی چوکیاں خالی کر دیں اور خدشہ ظاہر کیا کہ زیپا شہر کسی وقت بھی سربوں کے ہاتھ میں آ سکتا ہے۔ انہی دنوں بطروس غالی کے خصوصی ایلچی یاسوشی اکاشی بوسنیا میں تھے۔ ان سے مطالبہ کیا گیا کہ اقوام متحدہ اپنے ہی طے کردہ محفوظ علاقہ کی حفاظت کرے۔ اور وہاں مقیم ہزار ہا مسلمان باشندوں کے جان ومال کی حفاظت کے لیے کوئی عملی قدم اٹھائے یاسوشی اکاشی نے جو جواب دیا اسے پڑھیئے اور بوسنیا کے معاملات میں اقوام متحدہ کی پالیسی پر غور کیجئے اس نے کہا۔

ہم جانتے ہیں کہ زیپا پر سربوں کا قبضہ ہونے والا ہے اسے روکنے کے لیے اقوام متحدہ کچھ نہیں کر سکتی۔

(جنگ لندن ۲۰/جولائی)

ان سے جب سقوط سبرانیکا کے بارے میں دریافت کیا گیا تو جواب ملا کہ سبرانیکا پر سربوں کے قبضہ سے انہیں (بس) افسوس ہوا ہے (ایضاً)

اب غور فرمایئے کہ بوسنیا کے مسلمانوں کا مقابلہ صرف سرب فوجوں سے ہے؟ یا اقوام متحدہ (یعنی امریکہ، برطانیہ، یورپ) سے ہے؟ یہ سارے چاہتے ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے اس علاقے سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا جائے اور مسلمانوں کی ایک ایک تاریخی یادگار اور عمارتیں ختم کر دیں جائیں۔ تاکہ یہاں آئندہ کسی اسلامی ریاست کے ابھرنے کا امکان تک باقی نہ رہے۔

گزشتہ مہینوں میں جو رپورٹ عالمی ذرائع ابلاغ سے سامنے آئی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں عربی مجلۃ الدعوۃ میں ایک عربی مجاہد شیخ باحاذق کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے شیخ صاحب حال ہی میں سابق یوگوسلاویہ کی ایک ریاست سلوانیا سے ہو کر آئے ہیں۔ وہاں ان کی ملاقاتیں بوسنیا کے مہاجر مسلمانوں سے بھی ہوئیں وہ بتاتے ہیں ان درندوں (آرتھوڈکس صلیبی سرب) نے اپنے مذہبی تعصب کا ثبوت اس طرح دیا ہے اور صلیبی جنگوں کا انتقام بوسنیا کے مسلمانوں سے اس طرح لیا ہے کہ زندہ لوگوں کے سینوں پر خنجر سے صلیبیں بناتے ہیں اس مقصد کے لیے مسلمانوں کو باندھ دیتے ہیں اور بسا اوقات اتنی گہری صلیب بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں بچوں کو ذبح کرتے ہیں اور پھر ان کے ماں باپ کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کا خون پیئیں، حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر کے بچے کو نکال کر عورتوں کا پیٹ سوئی دھاگے سے سی دیتے ہیں جس سے شاید ہی کوئی خاتون بچ پاتی ہو۔

نیوز ویک کا ایک نمائندہ لکھتا ہے کہ بے شمار دہشت ناک کہانیاں بوسنیا کے خوف زدہ اور زخمی لوگوں نے سنائی۔ مشرقی بوسنیا میں تزلہ کے قریب ایک عینی شاہد نے دہشت ناک منظر دیکھا کہ تین مسلمان نوجوان لڑکیاں کمر تک ننگی خاردار تار لگے باڑھ کے اندر ہر ایک کے استعمال کے لیے" کھڑی تھیں۔ عینی شاہد بتاتا ہے کہ تین دن کی اجتماعی عصمت دری کے بعد ان پر مٹی کا تیل

چھڑک کر انہیں زندہ جلا دیا، ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ کئی کئی ماہ تک مسلمان اور کرو شین لڑکیوں کو سربی فوجی جنسی غلام بنا کر رکھتے ہیں۔ جب حمل ہو جائے تو یہ کہہ کر رہا کر دیتے ہیں "جاؤ جا کر سربین بچوں کو جنم دو"

نمائندہ لکھتا ہے کہ "یہ وہ جنگ نہیں ہے جہاں شہری غلطی سے مارے جاتے ہیں بلکہ یہاں شہری بنیادی ہدف ہیں یہاں ہر وہ ہتھکنڈہ استعمال کیا جا رہا ہے جس سے شہری دہشت زدہ ہوں یا سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کر جائیں اور اگر تمام مظالم کے باوجود ایسا نہ ہو تو پھر قتل کی پالیسی پر عمل ہوتا ہے جنگ کا بنیادی مقصد بوسنیا کی سرزمین کو مسلمانوں سے صاف کرنا ہے اس کام میں رضاکار سربی آرتھوڈکس اور یوگوسلاویہ کی باقاعدہ فوج بھی شامل ہے۔ (جنگ لندن)

ان حالات میں بوسنیا کی مسلم حکومت کے رہنماؤں کا یہ کہنا کہ سبرانیکا کا سقوط اور ہزاروں مسلمانوں کا انخلاء عالم اسلام کے لیے اس صدی کا سب سے بڑا المیہ ہے ایک حقیقت ہے۔ عالم اسلام کے رہنما گزشتہ چار سالوں سے یہ شرمناک اور ظالمانہ منظر برابر دیکھ رہے ہیں لیکن انہیں کچھ کر گزر جانے کی نہ ہمت ہے نہ توفیق۔ وہ بے شک جنیوا اور جدہ۔ اور دوسرے علاقوں میں بیٹھے اطمینان سے کھا پی کر قراردادیں منظور کرتے ہیں۔ لیکن جب وقت عمل آتا ہے تو پھر یہ رہنما آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ سبرانیکا کے سقوط کے بعد مالی امداد کے اعلانات ہوئے اور کروڑوں پونڈ کی امداد کا اعلان کیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان رہنماؤں کی مالی امداد سے یہ مسئلہ حل ہو سکے گا؟ اطلاع ہے کہ جنیوا میں اسلامی وزرائے خارجہ کا ایک ہنگامی اجلاس ہونے والا ہے۔ اگر یہ اجلاس صرف قراردادوں کے منظور ہونے تک محدود رہا اور ان قراردادوں کو عملی شکل دینے کا کوئی فیصلہ نہ کیا گیا تو پھر اسے نشستن گفتند برخاستن ہی کہا جائے گا اور اگر اس اجلاس میں پچاس کے قریب اسلامی ممالک کے نمائندوں نے پوری جرأت اور غیرت ایمانی سے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ بوسنیا کے مسلمانوں کی امداد میں کسی ملک کی کوئی رکاوٹ کو قبول نہ کریں گے اور ان کا سیاسی اخلاقی اور فوجی تعاون کرنا اپنا فریضہ سمجھیں گے اور پھر اسے عملی شکل میں لا کر دکھا دیں تو انشاء اللہ تعالیٰ بوسنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہو گا۔ اور تاریخ میں ان رہنماؤں کا نام امر ہو جائے گا۔ وما علینا الا البلاغ

قارئین سے گذارش

خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری / اعزازی تبادلہ نمبر ضرور لکھیے

ورنہ ادارہ جواب دینے سے معذور ہو گا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

مولانا عبدالقیوم حقانی

عریانی اور فحاشی کا عروج، خدائی انذار اور انتباہ

ملک میں عریانی فحاشی کا عروج اور میڈیا کے شرمناک کردار کی رفتار بہت سریع ہے اس کے بدترین
نتائج آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں ہم ذیل میں بطور مثال ایک واقعہ نقل کرکے ارباب بست و کشاد
ذمہ دارانِ قوم و مملکت کی خدمت میں ربّ السموات والارض کے ارشادات پیش کرتے ہیں کہ اس سے بہتر
موعظ نہیں ہے۔

" دو طالب علموں نے نو سالہ لڑکی کی عزت تارتار کردی۔ دونوں ملزمان نے باری باری اسے
اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ ملزمان نے بتایا کہ ہم گنہگار ضرور ہیں لیکن ہماری ذہنیتوں کو بلیو پرنٹ
اور انڈین فلموں نے خراب کردیا ہے اور ہم اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمارے
علاقے میں تمام میوزک سنٹروں پر بلیو فلموں کا کاروبار ہوتا ہے اور بلیو فلموں کی ہوم ڈیلیوری
کی جاتی ہے انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ ہمارے علاقے میں اکثر طالب علم اپنی بیٹھکوں میں
رات کو بلیو فلمیں دیکھتے ہیں اور سارا دن معصوم بچوں کے شکار میں رہتے ہیں"

(روزنامہ خبریں اسلام آباد ۲۴ جولائی ۱۹۹۵ء)

فرمانِ ربّ ذوالجلال والاکرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم	■ اس ارشاد فیصلے اور اس کے نفاذ میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ جو لوگ اور طبقات اس عمل کو پسند کرتے ہیں کہ۔ ■ مسلمان معاشرے میں بے حیائی، عریانی، بدذہنی، بداخلاقی اور بدکرداری عام ہو ◆ فحاشی کی نشرواشاعت اور عملاً بے حیائی کو مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر پھیلانے والوں کے لیے انتہائی الم انگیز سزا اللہ کے ہاں متعین ہیں۔

• فی الدنیا والآخرۃ

■ جو اس آج کی دنیاوی زندگی میں بھی ان پر مسلط ہوگا اور آخرت میں بھی عذاب کا کوڑا ان پر برسے گا۔ اس دنیا میں جو سزا انہیں دی جائے گی اس کی ایک شق یہ بھی ہے کہ وسائل نشر و اشاعت کے مالک، کارندے اور مسلم ممالک کے با اختیار حکمران و حکام جو اس جرم کے مرتکب ہوں گے، خود ان کے اپنے خاندانوں کے بعض افراد، ان لعنتوں میں مبتلا ہو جائیں گے ـــــ اور وہ اپنے، خدائے ذوالجلال کے ہولناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ ان کے اپنے خاندان ان کی پھیلائی ہوئی فحاشی کا شکار ہوگئے۔ اسیران میں سے جو ذرا احساس رکھنے والو ں کی آنکھیں خون کے آنسو بہائیں گی مگر وہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

• واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (النور۔ ۱۹)

■ رائے غفلت کے شکار لوگو! اللہ تمام اقوال اور اعمال کے جملہ نتائج کو کما حقہٗ جانتے ہیں اور تم اس سے بے خبر ہو،

• یایھا الذین آمنوا لا تتبعوا۔

■ اللہ، ان کے برحق رسولؐ، ان کے نازل فرمودہ کتاب قرآن مجید و فرقان حمید، ان کے مقرر کیے گئے یوم الحساب اور ان کی مقرر کردہ سزا و جزاء اور ان کے نظامِ حکمرانی کی سپاہ، فرشتوں پر ایمان لانے والو! ـــــ خبردار۔

• خطوات الشیطان

■ شیطان کے ترتیب دیئے ہوئے، تدریجی طریق ہلاکت کے نشان ہائے گمراہی و بدکاری پر قدم رکھ کر اس پر چل نہ پڑنا رہ تمہارا ازلی دشمن تمہیں اس مکر و فریب کے جال میں نہ پھانس لے، کہ تم پہلا قدم تو یہ اٹھاؤ کہ اپنی جنس مخالف کو پردے سے نکالو اور اسے اپنی مجلسوں، اپنے کاروبار اور اپنے نظامِ حکومت میں عہدوں اور مناصب پر مسلط کر دو اور تم فخر سے کہو کہ ہم نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے اور انہیں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کر کے "مساوات" قائم کر دی ہے۔ اور دوسرا قدم کہ اس سے مراسم پیدا کرو، ایک قدم اور آگے اس کے محاسن پر دلآویز تحریریں، افسانے، ناول پڑھو اور تصویریں دیکھو، پھر خوبصورت اوراق پر انہیں اس قدر عام کرو اور جدید آلات (ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلموں، پر بالخصوص ایسے مناظر دیکھو جو مخلوط مواقع کے ہوں ـــــ اور

دوسری جانب غزلوں، گیتوں، افسانوں اور ڈراموں کے شیطانی جالوں کو جو تمہیں فریب دینے کے لیے فنکاری، ثقافت، آرٹ، ادب کے عنوانوں سے پیش

کیسے جائیں ان میں پھنس جاؤ، تو یہ بھی سب سے بڑا دشمن تمہیں اس جہنم میں جھونک دے، جو فحاشی وبے حیائی میں مبتلا بد راہوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

خوب خوب یاد رکھو کہ

• ومن یتبع خطوات الشیطان

• جو شخص شیطان کے (ان) ترتیب دیئے ہوئے تدریجی نشانوں پر سفر زندگی شروع کرے گا۔

• فانہ یامر بالفحشآء والمنکر

• وہ فحش اور احکام الٰہی کے مخالف اعمال ہی کا ہو کر رہ جائے گا کہ شیطان ہمیشہ فحش اور ممنوع کاموں کا داعی رہا ہے (اور وہ بظاہر جو ابتدائی قدم اٹھاتا ہے، وہ کچھ زیادہ بُرے نہیں ہوتے مگر ان سب کا نتیجہ ایمان و اخلاق سے محرومی ہی کی صورت میں سامنے آتا ہے)

• ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ

• (یہ ماحول) جسے شیطان کے کارندوں نے فحاشی و عریانی اور بے حیائی کو کئی پردوں میں چھپا کر۔۔۔ دھوکے میں ڈالنے والے عنوانات سے تیار کیا) اگر تمہارے رؤف و رحیم خالق و آقا کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو۔

• مازکی منکم من احد ابداً

• تم میں سے کوئی بھی حیا اور پاک دامنی سے بہرہ ور نہ ہو سکتا۔۔۔ مگر۔۔۔ اللہ (جس نے اپنی) رحمت سے تمہیں شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا۔

مغرب کی لادین جمہوریت کی ناکامی کے بعد اسلامی انقلاب

کا لائحہ عمل کیا ہو ؟

ملک میں مغرب کی لادینی جمہوریت کا مسلسل تجربہ کر لینے کے بعد دینی قوتوں، علماء اسلام اور ملک میں نفاذِ شریعت کے بہی خواہوں کو اسلامی انقلاب کے لیے حسبِ سابق اُسی نہج پر چلنا چاہیئے یا ایک ایسا لائحہ عمل اور طریق سیاست اختیار کرنا چاہیئے جو قرآن وحدیث کے قطعی نصوص سے ماخوذ ہو اس سلسلہ میں ماہنامہ الحق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ کے مرتب کردہ درج ذیل سوالات کو اکابر علماء کرام، مشائخ عظام مذہبی سیاست دانوں، دانشوروں اور معروف سکالروں کی خدمت میں بھیج رہا ہے تاکہ اس موضوع پر علمی اور عملی کام کرنے والوں کے لیے بغیر کسی ابہام کے نشان راہ واضح ہوں ۔

(۱) ملک میں مغربی جمہوریت کی مسلسل ناکامی اور عدم افادیت سے آپ کو اتفاق ہے یا نہیں

(۲) اگر آپ کو اس سے اتفاق ہے تو وہ طریقہ سیاست اور لائحہ عمل جو شریعت کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی انقلاب کا ذریعہ بھی بن سکے کیا ہوگا، اس کے جواب بعض حضرات کی وقیع تحریریں، قیمتی آراء اور مضامین موصول ہوئے ہیں جو آئندہ صفحات میں پیش خدمت ہیں اسی سلسلہ بحث میں مزید جن حضرات نے بھی حصہ لینا چاہا تو ان کی گراں قدر آراء بھی الحق کے صفحات کی زینت بنیں گے ۔

(ادارہ)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ مہتمم دارالعلوم کراچی

گرامی نامہ مورخہ ۲۹ / ۱۱ / ۱۴۱۴ھ نظر نواز ہوا، آپ نے جو سوالات گرامی نامے میں تحریر فرمائے ہیں۔ ان کے جوابات بہت تفصیل طلب ہیں، اجمالی طور پر چند باتیں عرض کرتا ہوں اگر ان کی رعایت رکھی جائے تو

حالات کی بہت حد تک اصلاح ہو سکتی ہے۔

(۱) نظام حکومت پارلیمانی کی بجائے صدارتی ہو تو اسلامی سیاست کے نسبتاً قریب ہوگا، اور ہمارے ملک میں پارلیمانی نظام کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس میں آئے دن حکومتیں ٹوٹتی رہتی ہیں اور ہر حکومت بیوروکریسی اور ارکان پارلیمنٹ کی خوشامد اور ہر جائز و ناجائز دباؤ قبول کرنے پر مجبور رہتی ہے، جب کہ صدارتی نظام میں اسمبلی کا کام صرف قانون سازی ہوتی ہے۔ نظم حکومت کا اختیار اور کام صدر کے پاس ہوتا ہے۔

نیز پارلیمانی نظام میں صدر اور وزیراعظم میں اختیارات بٹ کر دوعملی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور دونوں کے درمیان آویزش چلتی رہتی ہے جیسا کہ پاکستانی سیاست میں پچھلے ادوار میں ہوتا رہا ہے۔

(۲) موجودہ مغربی جمہوریت میں ایک ان پڑھ دیہاتی، اٹھارہ یا اکیس سال کے لڑکے کا ووٹ، ایک تجربہ کار عالم دین یا سائنٹسٹ یا ماہر قانون، ماہر سیاست کے ووٹ کے برابر ہے، یہ عقل کے بھی خلاف ہے اور شریعت کی روح کے بھی منافی، اس لیے ووٹ دینے کا نظام اتنا بے لگام نہیں ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ اب ہے بلکہ اس میں عمر اور تعلیم کا کوئی معیار ضرور ہونا چاہیئے جو موجودہ آئین میں نہیں ہے۔

(۳) انتخابات میں کھڑے ہونے والے امیدوار کے لیے جو شرائط اور صفات دستور میں مقرر کی گئیں ہیں ابھی تک ان کے مطابق نہ قانون سازی ہوئی ہے اور نہ الیکشن کمیشن ان پر عمل کرنے کا پابند ہے اور نہ عمل ہو رہا ہے۔

اگر ان صفات اور شرائط کی پابندی قانوناً و عملاً لازم کی جائے اور جس امیدوار میں ان صفات و شرائط میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو اس کے خلاف اس کے حلقے کے ووٹروں میں ہر ایک کو عدالت میں چیلنج کرنے کا اختیار ہو تو اس سے بھی بڑی حد تک اصلاح کی توقع ہے۔

(۴) لیکن یہ تمام اصلاحات اس وقت مؤثر اور نافع ہو سکتی ہیں جب معاشرے میں بگاڑ کی بجائے صلاح ہو، جہالت کی بجائے تعلیم ہو اور دینی احکام کی رعایت کرنے کا افراد کو عادی بنایا جائے۔ لہٰذا سیاسی نظام کو بہتر بنانے کے لیے بنیادی ضرورت اس کی بھی ہے کہ دینی اداروں اور تنظیموں میں افراد سازی اور ان کی اصلاح باطن اور دینی تربیت کا خصوصی انتظام کیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ ممبر شریعت اپلیٹ بنچ پاکستان

گرامی نامہ موصول ہوا، احقر تو عرصہ دراز سے اس بات کا قائل ہے کہ موجودہ حالات میں مغربی جمہوریت کے ذریعہ نفاذ شریعت کا تصور پتھر سے جوئے شیر نکالنے کے مترادف ہے، اب آنجناب کے قلم سے یہ بات دیکھ کر اس کی تائید بھی ہوئی۔ اور مسرت بھی کہ یہ مجھ گوشہ نشین اور سیاست سے نابلد شخص ہی کی رائے نہیں ہے، بلکہ جمعیت علماء اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل کی رائے ہے۔ تو یقیناً مجھ سے کہیں زیادہ تجربات پر مبنی ہوگی۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ دینی نقطہ نظر سے سیاست کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور اس کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟ سو اس سوال کا جواب بہت تفصیل چاہتا ہے جس کا یہ خط متحمل نہیں، صرف اتنا مختصر اشارہ اس وقت ممکن ہے کہ اسلام کا اصل نظام حکومت خلافت ہے۔ جس میں اصل اہمیت محض انتخاب کو نہیں۔ بلکہ منتخب شخصیت کی صفات اہلیت کو حاصل ہے۔ لیکن اس نظام خلافت کے قیام کے لیے ضروری ہے جمہوری طرز کی کوئی تنظیم قائم کرنے کے بجائے پہلے لوگ ایک شخصیت پر متفق ہوں۔ جس کے علم، تقویٰ اور صلاحیت پر انہیں اعتماد ہو۔ پھر اس کے زیر قیادت تعلیم اصلاح و تربیت کا کام ہو اور اس کے نتیجے میں افراد کی ایک جماعت تیار ہو۔ اور وہ نفاذ شریعت کے لیے جدوجہد کرے۔

یقیناً اس تجویز میں بے شمار عملی سوالات اٹھتے ہیں۔ لیکن ان کا مفصل جواب خط کے ذریعہ ممکن نہیں۔ جہاں تک احقر کا تعلق ہے، احقر پہلے ہی عرض کر چکا ہے کہ سیاست سے نابلد ہے۔ اس لیے اس کام کو لے کر اٹھنا احقر کے لیے ممکن نہیں۔ لیکن اگر کبھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی کوئی شخصیت مہیا فرما دی تو ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے اس کی ہم رکابی کو اپنے لیے باعث شرف سمجھوں گا۔ (باقی)
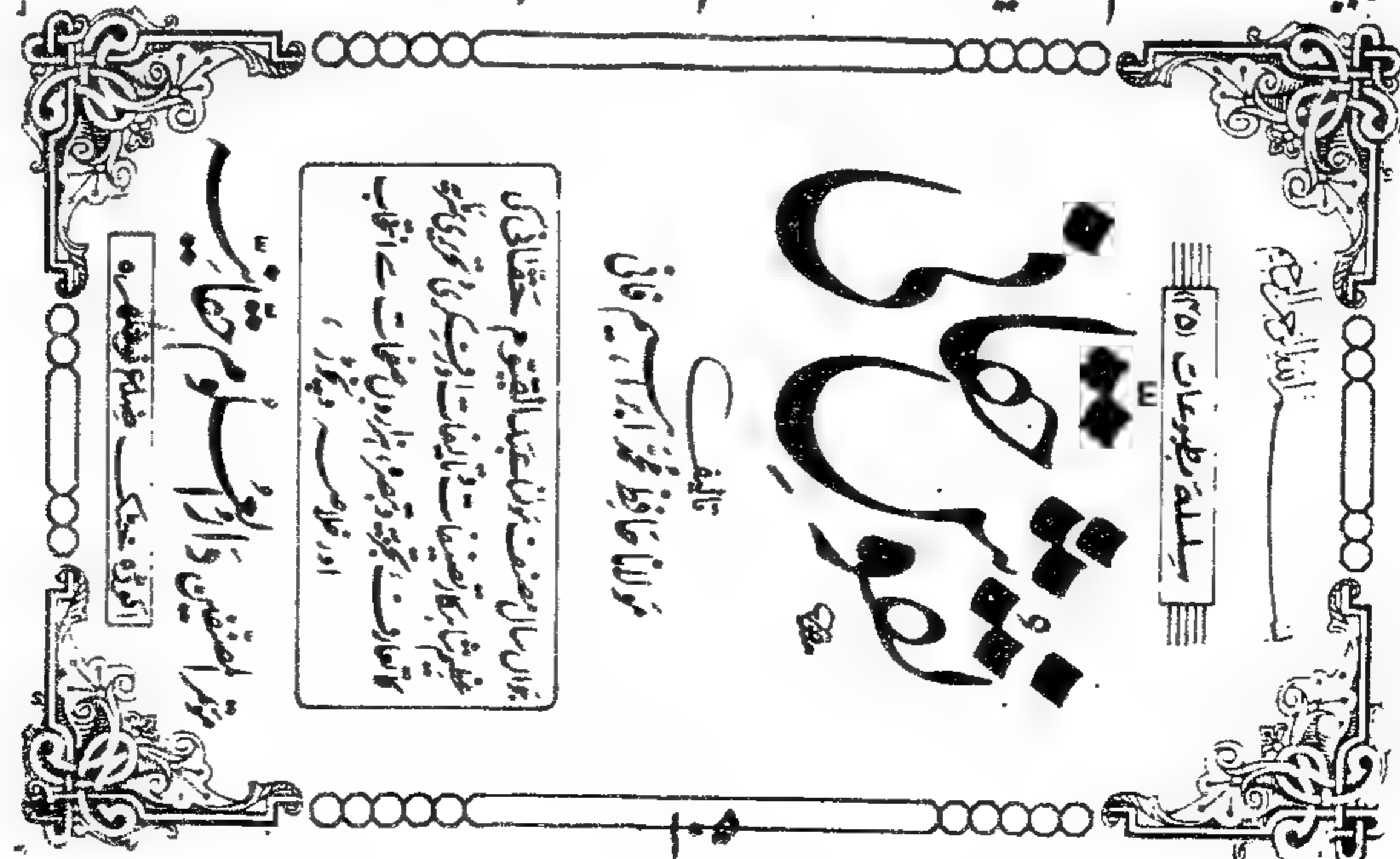
مچھروں سے مکمل نجات حاصل
ویپ
ماسکیٹو میٹ
Vape mat
FUMAKILLA
FUMAKILLA
Vape mat f
ELECTRONIC MOSQUITO DESTROYER

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

بنیاد پرستی ——— اعزاز یا الزام ؟

گزشتہ کچھ عرصے سے امریکی اور یورپی ذرائع ابلاغ اُن گروہوں یا افراد کو جو اسلام کو ایک مکمل، جامع اور انقلابی "نظام حیات" کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں) ایک خاص اصطلاح سے یاد کر رہے ہیں اور وہ ہے "فنڈا منٹلسٹ" کی اصطلاح، جسے ہمارے اخبارات وجرائد "بنیاد پرست" لکھ رہے ہیں، جسے یورپ تو کم از کم ہمارے حق میں ایک گالی سمجھتا ہے لیکن ہمارے اخبارات وجرائد اور بعض نام نہاد روشن خیال دانشور اور رہنما اسے اپنے اوپر ایک الزام ضرور قرار دیتے ہیں اور اس کی تردید میں قولاً اور عملاً یہ باور کراتے ہیں کہ ہم "بنیاد پرست" نہیں بلکہ سیدھے سادے مسلمان ہیں حتیٰ کہ وزیر اعظم تک اس سے برأت کا اظہار و اعلان کرتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ راسخ الاعتقاد مسلمانوں کو "بنیاد پرست" کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ ذہنی طور پر ازمنہ وسطیٰ کے رہنے والے، تاریک خیال، سائنس دشمن، حریفانِ علم و دانش، ترقی کے مخالف، رجعت پسند، روایت پرست اور قدامت نواز ہیں، جنہیں دورِ حاضر کے نت نئے بدلتے حالات کا ادراک، اور تہہ در تہہ معاملات کا شعور حاصل نہیں۔

اس سے کچھ عرصہ پہلے جب بعض اسلامی ممالک میں انقلابی تحریک زوروں پر تھی، اور لیبیا سر ابھار رہا تھا اور اُدھر فلسطین کی تحریکِ مزاحمت نئی کروٹ لے رہی تھی تو اس وقت امریکی اور یورپی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے لیے MILITANT (جنگجو) کی اصطلاح استعمال کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی قوم ملوکیت اور شاہی استبداد کے خلاف اُٹھ کھڑی ہو، کوئی کمزور ملک اگر امریکہ کے مقابلے میں سر اُٹھاتا دکھائی دے اور لوگ اپنی سرزمین پر ناجائز قبضے کے خلاف مزاحمت کریں تو وہ فوراً جنگجو بن جاتے ہیں، اگر اصطلاحات کے استعمال کا یہ عالم رہا تو نجانے جمہوریت، حق خود ارادیت اور آزادی و استقلال کے کیا معنی رہ جائیں گے؟ یعنی دنیا اگر اپنے اوپر ملوکیت کو مسلط کیے رکھے یا کم از کم برداشت کیے رکھے، اپنے حق خود ارادی سے دستبردار ہو جائے، غیروں کی دست نگر بنی رہے، ایک یا دو بڑی طاقتوں کی حاشیہ بردار رہے، اپنی آزادی اور استقلال سے ناآشنا رہے اور ہمیشہ سیاسی اور اقتصادی غلامی کا جوا اپنے گلے میں ڈالے رکھے تو وہ روشن خیال، ترقی پسند اور ماڈرن کہلانے کی مستحق ہے اگر وہ اپنے حقوق سے دستبرداری اور اپنی آزادی و خود مختاری سے دستکشی کا اعلان کر دے تو وہ فوراً "جنگجو اور

بنیاد پرست" بن جاتی ہے گویا دوسرے لفظوں میں امریکی بالادستی کو قبول کیے رکھنا اور افرنگی تہذیب و معاشرت کا اسیر بنا رہنا "روشن خیالی" اور اس کے مقابلہ میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنا شعائر اسلامی کا اختیار کرنا اور اسلام کو رہنمائی کا سرچشمہ قرار دینا "بنیاد پرستی" ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے نام نہاد لیڈر تہذیبی اور ذہنی طور پر مغرب اور امریکہ سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ہماری زندگی کا بیشتر حصہ صرف اس تگ و دو میں صرف ہو جاتا ہے کہ ہم علمی و فکری اور عملی و اخلاقی طور پر اس طرح نظر آئیں جیسا کہ مغرب اور امریکہ چاہتا ہے اور ایسا نظر آنے کے لیے اپنی شکل و صورت نشست و برخاست اطوار و عادات اور کردار اور اخلاق سے لے کر اسلام تک کا حلیہ بگاڑنے پر آمادہ و مستعد رہتے ہیں جیسے وہ اسلام کہیں ہم ویسا اسلام پیش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ جیسے وہ آدابِ زندگی بتائیں ہم فوراً انہیں اختیار کر لیتے ہیں، جس طرح کی تہذیب کو وہ پسند کریں ہم اسی طرح کے مہذب بننے میں اپنی توانائیاں صرف کر دیتے ہیں جو مسلمان ان کو درکار ہے ہم ویسے مسلمان بن جاتے ہیں حالانکہ اسلام اور مسلمانی میں امریکہ اور مغرب کی رضا نہیں بلکہ خدا و رسول کی رضا مطلوب ہوتی ہے تب جا کر کوئی شخص مسلمان بنتا ہے، تہذیب وہ نہیں جو امریکہ اور یورپ سکھاتے ہیں بلکہ ہمارا معیارِ تہذیب اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیئے، کیونکہ انہی کے دین اور انہی کے نام کی نسبت سے ہمارا ملی تشخص قائم ہے ورنہ رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کسی کو مسلمان یا کافر نہیں بناتے، اس اعتبار سے انسانیت میں کوئی جوہری فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ سبھی اولادِ آدم ہیں۔

۷۰ کے عشرے میں پاکستان کے اندر "دایاں بازو" اور "بایاں بازو" کی اصطلاح کا خوب چرچا رہا۔ مغرب کی نظر میں "دایاں بازو" کا معنی تاریک خیال اور تنگ ذہن اور "بایاں بازو" کا مطلب روشن خیال اور ترقی پسند تھا۔ ہمارے لیڈر بڑے مخمصے اور عجلت میں نظر آتے تھے کہ وہ خود کو ہر جگہ "بایاں بازو" ثابت کریں حالانکہ قرآن مجید میں واضح طور پر "اصحاب الیمین" اہل جنت اور "اصحاب الشمال" اہل جہنم قرار دیئے گئے ہیں قرآن مجید کی روشنی میں "دایاں بازو" اور "بایاں بازو" کا مفہوم بالکل صاف تھا اور ہمیں بڑے فخر کے ساتھ خود کو "دایاں بازو" کہلانا چاہیے تھا لیکن برا ہو مرعوب ذہنیت اور غلام سوچ کا، جس نے ہماری آنکھیں چندھیا رکھی ہیں ہم نے فوراً یورپ کے بیان کردہ مفہوم کو قرآن مجید کے واضح کردہ مفہوم پر ترجیح دے دی اور "دایاں بازو" کہلانے میں شرماتے اور جھجکتے رہے۔ ہماری لیڈر شپ کو فکر لاحق ہو گئی کہ قرآن مجید کس گروہ کو "اصحاب الشمال" (بایاں بازو) قرار دیتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے بلکہ مغرب کے نزدیک "بایاں بازو" کا جو مفہوم ہے اس کے مطابق روشن خیال اور لبرل بننا ہے اگر ہم نے دیر کر دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اہلِ مغرب کی لغت میں تاریک خیال اور قدامت پسند ٹھہرا دیئے جائیں، یہی وہ احساسِ کمتری ہے جو ہمیں خدا اور رسول سے بھی دور

ے گیا ہے اور وصال صنم سے بھی ابھی تک محروم چلے آرہے ہیں۔ مسلمان بننے کی تو ہم نے خاص جدوجہد نہیں کی۔ لیکن یورپ نے بھی ابھی تک ہمیں صحیح معنوں میں ماڈرن، لبرل، پروگریسو اور ریفڈسٹ کا سرٹیفکیٹ عطا نہیں کیا اور اس طرح ہم درمیان میں معلق ہوکر رہ گئے ہیں اگر ہم اتنی کاوش مسلمان بننے کی کرتے تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس عرصے میں ہمیں یقیناً "مومنِ خالص" کا لقب عطا کر چکے ہوتے۔

یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض دانشور کہتے نظر آتے ہیں کہ آخر ان اصطلاحات میں کیا رکھا ہے؟ اگر ہم خود کو دایاں بازو یا بنیاد پرست نہ کہلائیں اور یورپ کی مرضی کے مطابق ان "تہمتوں" سے برأت کا اظہار کر دیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ نرم سے نرم الفاظ میں خود فریبی یا کم از کم سادہ لوحی ہے، ہم محض لفظوں کی الٹ پھیر کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے نفسیاتی پس منظر سے صرفِ نظر کر رہے ہیں بات صرف الفاظ اور اصطلاحات کی نہیں، ہر لفظ کا ایک مخصوص مفہوم اور ہر اصطلاح کا ایک نفسیاتی پس منظر ہوتا ہے۔ الفاظ اور اصطلاحات با قاعدہ علامات کا درجہ رکھتے ہیں اور یہی علامات کسی سوسائٹی یا فرد کے بارے میں رائے قائم کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں، لفظوں کا فقط لغوی معنی اور اصطلاحات کا فقط سطحی مفہوم نہیں ہوتا اگر ایسا ہو تو پھر سارے تشخصات ختم ہوکر رہ جائیں، نہ دعا کا مفہوم باقی رہے اور نہ گالی کا کوئی مطلب کیونکہ دونوں چیزیں حروفِ تہجی سے مرکب ہوتی ہیں تو کوئی دعا دے یا گالی، اس سے کیا فرق پڑ جائے گا؟ ۔ اصطلاحات کی اپنی قدر و قیمت ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یورپ کیوں ہر چوتھے روز مسلمانوں کے لیے ایک نئی اصطلاح اختراع کرتا"

مسجد کا ایک اپنا ڈیزائن ہوتا ہے اور گرجا اور مندر کا اپنا نقشہ، حالانکہ سبھی اینٹ پتھر سے بنے ہوتے ہیں لیکن ہر شخص مخصوص ڈیزائن سے پہچان لے گا کہ ان میں مسجد کون سی ہے، اور گرجا اور مندر کون سا؟ کون سی جگہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اور کون سی عیسائیوں اور ہندوؤں کی، اگر ہم ان علامات اور تشخصات، اسماء اور اصطلاحات کے بارے میں یہ رویہ اپنا لیں کہ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے" تو میرے خیال میں ہر بات پہیلی بن جائے گی، پھر نہ کوئی مسلمان رہے گا اور نہ کوئی کافر۔

سوشلزم یا کمیونزم اور اسی طرح ڈیماکریسی، یہ بظاہر اصطلاحات ہیں ان کے لغوی معنی لیے جائیں تو ان اصطلاحات میں کیا خوبی ہے؟ لیکن یہ محض الفاظ نہیں اور فقط اصطلاحات نہیں بلکہ ان کی پشت پر باقاعدہ ایک فلسفہ اور ایک نظام کارفرما ہے۔ جو انہیں آپس میں ممتاز اور منفرد کر رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض نام بعض قوموں کے ساتھ مختص ہو کر رہ گئے ہیں اور بعض علامات بعض تہذیبوں کی شناخت بن کر رہ گئی ہیں، مثلاً ہندی میں "کرپارام" جو ایک نام ہے اس کا ٹھیک مترادف عربی میں "عطاء اللہ"

ہے لیکن کوئی مسلمان اپنا نام "کرپارام" نہیں رکھتا آخر کیوں؟ جب کہ معنی اور مفہوم میں بال برابر فرق نہیں صرف دو زبانوں کے اپنے لب ولہجے اور ساخت کا فرق ہے یہ اس لیے ممکن نہیں کہ انسانی دنیا میں، جب لفظ، اصطلاح القاب، خطابات وغیرہ وارد ہوتے ہیں تو وہ فقط بے جان الفاظ و حروف نہیں رہ جاتے بلکہ ان کے ساتھ کچھ جذبات اور دوسرے تشخصات وابستہ ہو جاتے ہیں اگر ان میں سادہ لوحی سے ذرا بھی ادل بدل کیا جائے تو سارے کے سارے جذبات اور تشخصات مجروح اور مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں اور کسی بھی سوسائٹی کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہر اصطلاح کو بہت ہلکا پھلکا اور لفظی گورکھ دھندا سمجھنے کا رجحان پیدا ہو جائے تو پورا انسانی نظام تلپٹ ہو کر رہ جائے، سو ہمیں ہر اُس اصطلاح کو اپنے سینے سے لگانا چاہیئے جو خواہ مغرب کی نظر میں کتنی معیوب اور معتوب کیوں نہ ہو لیکن فی الواقع وہ محمود اور مستحسن ہو جیسا کہ "بنیاد پرست" یہ اصطلاح کیوں محمود اور مستحسن ہے؟ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یورپ نے اسے ہمارے ساتھ چپکا دیا ہے ظاہر ہے اس میں کوئی خوبی ہے جسے وہ بگاڑ کر ہمارے نام کا لاحقہ اور سابقہ بنا رہا ہے، اور اس کے نزدیک وہ مسلمان "بنیاد پرست" ہیں جن کی فکر کا قبلہ احکام الٰہی اور سوزح کا کعبہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو شعائر اسلامی کے پابند اور کبائر سے مجتنب ہیں، جو سرمایہ داری اور اشتراکیت پر تین حرف بھیجتے اور اسلام کو اپنا ملکی نظام حیات سمجھتے ہیں۔ یورپ ان (نام نہاد) مسلمانوں کو قطعاً "بنیاد پرست" نہیں کہتا اور سمجھتا جو ہر آئے روز اسلام میں کسی نہ کسی نظام کی پیوندکاری کرتے رہتے ہیں، جن کی بود و باش میں اسلام کی جھلک تک دکھائی نہیں دیتی جن کے ذہن اور فکر پر ہر چیز کا غلبہ ہے بجز اسلام کے!

اور دوسری وجہ اس اصطلاح کو ڈنکے کی چوٹ اختیار کرنے کی یہ ہے کہ دنیا کا کوئی دین اور نظام بنیاد کے بغیر فروع پر قائم نہیں، سیاسیات ہی دین اور نظام کی اصل ہوتی ہیں۔ فروعات تو اس کے برگ و شمر ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہم "بنیاد پرست" ہیں کہ ہم اسلام کے اساسی عقائد کو مان کر مسلمان بنے ہیں توحید، رسالت، وحی آخرت وغیرہ ہماری بنیاد ہیں جن پر ہم اپنا نظامِ حیات استوار کرنا چاہتے ہیں اور اس پر ہمیں فخر ہے کہ ہمارا نظریۂ حیات اس کائنات کے خالق و مالک اور اس کے معصوم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حمایت یافتہ ہے اور اس کے اساسی اصول ایک ایسی کتاب میں درج ہیں جس کی صحت اور تاریخی حیثیت کو چودہ سو سال میں دنیا کا کوئی مفکر چیلنج نہیں کر سکا، اور ہمارے لیے نظام کا ماڈل وہ عہدِ حکومت جسے اس زمین کے انتہائی برگزیدہ اور راستباز انسانوں نے قائم کیا، ان معنوں میں ہم بنیاد پرست ہیں اور یہ کوئی معیوب لقب نہیں جو ہم اپنے لیے پسند نہ کریں۔

جو لوگ روشن خیالی اور وسعتِ نظری کی آڑ میں "بنیاد پرست" کہلانے سے عاری ہیں غالباً ان کے خیال میں اپنا راستہ کھلا رکھنا ہے کہ وہ جب چاہیں اسلام کے بجائے کسی اور نظام کو اپنا نظریۂ حیات بنا لیں، سنتِ رسول

ابلہ میں اپنی شریعت وضع کریں اور اطاعتِ خدا و رسولؐ کی جگہ اپنے نفس اور خواہشات نفس کی پیروی کریں
پھر بھی مسلمان کہلائیں ۔

دین کو کھلی چراگاہ قرار دینے کا آج نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ جو چاہتا ہے اس میں منہ مارتا ہے اور
اقتدار، مفادات، خواہشات اور اشغال کو دین کا نام دے دیتا ہے ۔ ترکِ نماز، شراب نوشی، زراندوزی، تضحیک
ر، آمریت اور عیش کوشی سب کے ہوتے ہوئے وہ خود کو مسلمان کہلانے پر اصرار کرتا ہے اور اپنا حق گردانتا
کوئی فقیہ اور ملاّ مجھے اسلام اور مسلم سوسائٹی سے خارج نہیں کر سکتا اور دین کے معاملے میں ہماری مداہنت کا
ب ہمیں واقعی اس نقطے پر لے گیا ہے کہ کھلے عام اسلامی نظامِ حیات کو چیلنج کرنے والا اور اسلامی شعائر و
ت کا مذاق اڑانے والا، سود کے نظام کی مدافعت کرنے والا، رقص و سرود کو عین اسلامی قرار دینے والا اور
ب و نہب کو جائز سمجھنے والا بھی ہماری نظر میں مسلمان بلکہ "مسلمان رہنما" رہتا ہے ۔

اگر ہم "بنیاد پرست" ہوتے تو کوئی شخص لاکھ چلمن کی اوٹ لیتا لیکن ہم اس کا چہرہ فوراً پہچان جاتے کہ یہ
ماسے ہے ہمارا خیر خواہ ہے یا استعمار کا ایجنٹ ہے اور خدا و رسولؐ کا باغی ہے ۔

ہم خود کو لسی کی طرح پتلا کرتے کرتے اپنا ذائقہ اور رنگ تک گنوا بیٹھے ہیں اور کوئی ایک علامت ایسی نہیں
دی جس سے "اسلامی قیادت" کے خدوخال واضح ہوتے اور ہمارا ذہنی و اعتقادی استحصال نہ ہو سکتا،
ے رہنما کھلم کھلا اسلام کے مزاج کے خلاف قومیت اور نسلیت پرست بھی ہیں اور مسلمان بھی، استعمار کے مفادات
فظ بھی ہیں اور مسلمان بھی، اسلام دشمن طاقتوں کے حلیف بلکہ آلۂ کار بھی ہیں اور مسلمان بھی، یہ سب اسی "روشن
ی" کا کیا دھرا ہے جو یورپ نے ہمیں عطا کی ہے کہ لفظ تو لفظ انسان اپنا اعتبار کھو بیٹھے ہیں ۔ ہم اپنے اور بیگا
نے، کھرے اور کھوٹے، سچے اور جھوٹے، دوست اور دشمن، محافظ اور معاند اور خیر خواہ اور بدخواہ کے
یان تمیز کرنے سے عاری ہو گئے ہیں، اور ہر شخص "روشن خیالی" کے زیرِ پردہ سب کچھ بننے اور کہلوانے کا
محفوظ کیے بیٹھا ہے جو اصل میں کچھ بھی نہیں صرف بندۂ ہوا و ہوس ہے، تن پرور اور نفس پرست ہے، اصول
ن اور انسانیت کُش ہے ۔

"بنیاد پرست" کہلانے میں آخر کیا حرج ہے ؟ اگر اس سے مراد اور مطلوب ایک راسخ الاعتقاد اور اصول
ے کر فروع تک اسلام کا پابند مسلمان ہوتا ہے اس اصطلاح سے بدکنا یہ باور کرانا ہے کہ گویا ہم اسلام کے
رمیں اس طرح رہیں کہ اس میں ہر طرف چور دروازے ہوں جب اور جہاں سے چاہیں، جھانک بھی لیں اور
لانگ بھی لگا لیں اور پھر واپس آ کر ویسے کے ویسے مسلمان بن جائیں، قرآن مجید نے یقیناً ایسی ہی نفسیات
ھنے والے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ "یؤمنون ببعض ویکفرون ببعض" (دل پسند چیزوں کا اقرار اور

مزاج کے خلاف چیزوں کا انکار) ایسا رویہ یورپ کی نظر میں معیوب نہ ہو تو الگ بات ہے اسلام اسے انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جب میرا اقرار و انکار جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ طیب خاطر سے ہے تو پھر کوئی اصول قبول کر لینے کے بعد اس سے ہیر پھیر اور انحراف اور گریز چہ معنی دارد؟ اگر ماننا ہے تو کھلے دل سے مانو اور حدود کا احترام کرو، اگر نہیں ماننا تو راستہ کھلا ہے دنیا میں کوئی نہیں پوچھے گا البتہ آخرت میں جوابدہی کا خود اہتمام کر لو اور اپنا جواز ڈھونڈ لو لیکن ہماری نفسیات اس طرح بن چکی ہیں کہ ہم مستقل طور پر "نیمے دروں نیمے بروں" رہنا چاہتے ہیں۔ اگر اسلام کا نام لے کر فائدہ پہنچتا ہے تو ہم مسلمان ہیں اور اگر ہمارے مفاد، مزاج اور اقتدار پر کوئی زد پڑتی ہے تو پھر گریز اور انحراف کی ہزار راہیں کھلی رکھنا چاہتے ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا روم نے مثنوی میں ایک تمثیل کے ذریعے ایسی نفسیات کو واضح کیا ہے جو امید ہے، زیر نظر مضمون کے سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے۔ مولانا روم لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنی کلائی پر شیر گدوانے کے لیے گیا جب جراح نے پہلی سوئی چبھوئی تو اُسے تکلیف ہوئی اور کہنے لگا یہ کیا بن رہا ہے؟ جراح نے کہا کہ شیر کے کان بنا رہا ہوں تو اس نے کہا کان رہنے دو، کان کٹے شیر بھی تو ہوتے ہیں، جراح نے آنکھ بنانی چاہی تو اس نے کہا کہ ایک آنکھ رہنے دو، شیر کانا ہو تو کیا فرق پڑتا ہے، تیسری چبھن پر پوچھا اب کیا بن رہا ہے جراح بولا شیر کے پاؤں بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا ایک ٹانگ رہنے دو، لنگڑا شیر ہی بنا دو الغرض ہر چبھن اور ٹیس پر وہ شیر کا ایک ایک عضو ختم کرواتا گیا۔ بالآخر جراح نے کہا کہ ایسا شیر مجھ سے نہیں بن سکتا جس کی نہ آنکھ ہو نہ کان، نہ ٹانگ اور نہ دُم اگر ایسے ہی شیر بنوانے کا شوق ہے تو کسی اور سے بنوالو۔

اسی تمثیل کے مطابق ہمارا "روشن خیال" مسلمان، دائرہ اسلام میں رہنا چاہتا ہے، کہ نماز نہ پڑھی تو کیا ہم مسلمان نہیں رہیں گے؟ شراب، جوا، ڈانس، سود، بے حجابی ایسے مشاغل اختیار کر لیے تو کیا ہم دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے؟ اگر تہذیب مغرب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تو اسلام پر کیا حرف آ جائے گا۔؟

اگر سیاسی نظام مغرب سے معاشی نظام اشتراکیت سے، قانونی نظام فرانس سے لے لیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔؟

علیٰ ہذا القیاس اسلام کے اصولوں سے لے کر اس کی ہر ہر شق سے پہلو تہی بھی ہم کرنا چاہتے ہیں اور برابر مسلمان بھی رہنا چاہتے ہیں، یہ رویہ سراسر کٹ حجتی پر مبنی ہے جسے ایمان و دانش کی بارگاہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

برصغیر میں انگریزی نظامِ تعلیم کے بانی لارڈ میکالے نے اپنے مقصدِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے ذریعے ہمیں "جسم مشرقی مگر روح مغربی درکار ہے" یعنی اس میکدۂ تعلیم میں خم کنڈھانے

والے بے شک نسلی مسلمان رہیں، نام ان کے مسلمانوں جیسے ہوں، لباس وہ اسلامی طرز کا پہنیں، شادی بیاہ اور نکاح طلاق شرعی طریقے سے کریں لیکن ان کی سوچ، دماغ، قلب اور روح مغرب کے رنگ میں رنگی ہو، تاکہ فکری بالادستی یورپ کی برقرار رہے۔ اب لارڈ میکالے کو کون جا کر قبر میں بتائے کہ آپ کو تو ہم سے صرف روح مغربی درکار تھی اور جسم کے مشرقی ہونے پر آپ کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا، مگر ہم اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ روح تو مغرب کی ہے ہی ہم نے اپنا قالب اور چولا بھی مغربی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، رسم ورواج، بولی ٹھولی، گھر کا ماحول، آدابِ محفل، خلوت وجلوت کے اطوار، لباس کی تراش خراش اور لب ولہجہ تک ہم نے فرنگی بنا ڈالا، فقط رنگ بدلنے کی کمی رہ گئی ہے۔ اگر بس میں ہو تو یہ بھی کر ڈالیں۔

ہمارے ہاں ایک بڑے اور مؤثر طبقے کی (جو سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اعتبار سے بالادست طبقہ ہے) یہ ذہنیت کیوں بن گئی ہے کہ وہ یورپ کے اعزاز کو اعزاز اور اس کے الزام کو الزام سمجھتا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ وہ سطحیت پسندی، اتھلاپن اور اعتماد کا فقدان ہے جو کسی فرد یا قوم میں مناسب تربیت کی کمی اور اپنی اصل اور جڑ سے بیوستگی میں نقص کے باعث پیدا ہو جاتا ہے، جس طرح کوئی درخت خواہ کتنا بے ڈول ہو مگر اس کی جڑ بہت گہری اور تنا مضبوط ہو تو معمولی ہوا تو کیا جھکڑ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اس کے مقابلے میں بڑا نرم و نازک، خوشنما، تراشیدہ خراشیدہ درخت تیز ہوا کے ایک جھونکے کی مار برداشت نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ قومیں جو محض فیشن، نمائش اور تکلفات کی دلدادہ اور عادی بن جائیں اور اپنی تہذیب، ثقافت، اپنے ورثے اپنی تاریخ اور اپنے دینی رشتوں کو یکسر فراموش کر بیٹھیں وہ پراپیگنڈے کی معمولی ضرب اور ترغیب کی برائے نام جھلک سے نیم جان ہو جاتی ہیں اور ذہنی وروحانی امراض کا ایک لشکر ان کا گھیراؤ کر لیتا ہے انہی بیماریوں میں ایک اعتماد کے فقدان کی بیماری ہے جو قوم کو حوصلہ مند اور رجری بنانے کے بجائے موم کی گڑیا بنا دیتی ہے جس کا ناک ہر چوتھے روز بدلتا رہتا ہے۔

اعتماد ہی وہ جوہر ہے جو فرد اور قوم کو اندازِ خسروانہ، عطا کر دیتا ہے، آدابِ خود آگاہی آجائیں تو غلاموں پر بھی اسرارِ شہنشاہی کھلتے چلے جاتے ہیں۔

مور اپنی تمام تر خوبصورتی اور رعنائی کے باوجود اپنے پاؤں دیکھ کر شرما سا جاتا ہے، اس کا یہ رویہ اس کے اعتماد کو ہر روز مجروح کرتا ہے اسی طرح ہم مسلمان شاندار ماضی، پرشکوہ تہذیب، قابلِ فخر روحانی ورثہ، رشک آمیز علمی پس منظر اور گرانقدر دماغی اور فنی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایک ذرا سا رنگ کا میلا ہونا یا انگریزی میں کمزور ہونا ہمیں مور کی طرح اپنے پاؤں دیکھنے پر اکسا دیتا ہے اور ہم شرمانے لگ جاتے ہیں، اگر آنکھوں

میں بقول حکیم الامت علامہ اقبال ۔ خاکِ مدینہ کا سرمہ ہو تو جلوۂ دانشِ فرنگ سے خیرہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا، انسان کے ہر اقدام کا دار و مدار اس کے فکری محور پر ہوتا ہے ۔ مثلاً ایک مسلمان کی سوچ کا تانا بانا اسلام سے بنا ہوا ہوتا ہے ، اس کا وفاداری اور اطاعت کا مرکز خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوتی ہے ، اس کے نزدیک ایک فقط عالمِ دنیا ہی تمام امور و معاملات کا منتہا نہیں بلکہ یہ سلسلہ آخرت تک چلتا ہے ، اس کے عقیدے کے مطابق خوشنودی محض انسانوں کی مطلوب نہیں بلکہ رضائے الٰہی ، ہر چیز پر مقدم ہے اس کے ہاں کسی عمل کی تصویب یا تردید قرآن و سنت سے مشروط ہے الغرض اس طرح کی دوسری چیزیں جو ایک مسلمان کی فکری ساخت کو دوسرے لوگوں سے ممیز کرتی ہیں ، تو لامحالہ ایک مسلمان کا معیار تہذیب ، اصولِ خیر و شر ، فلاح و خسران کے ضابطے اور عزت و ذلت کے پیمانے یقیناً دوسروں سے مختلف ہوں گے ، اگر ایسا ہو گا تو پھر کسی مسلمان کو برتر اور کمتر ، بہتر اور بدتر ، صحیح اور غلط اور اعزاز اور الزام کے بارے میں فیصلہ کرنے یا کسی چیز کا انتخاب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکے گی ، اگر فکری سمت متعین نہ ہو ، وفاداری کا مرکز طے نہ ہو ، دنیا اور دنیا کے پیدا کرنے والے رب کی خوشنودی میں فرق واضح نہ ہو تو مسلمانوں سے ایسے ہی لطیفے سرزد ہوتے ہیں جیسے کہ آج کل کے دور میں ہو رہے ہیں کہ ہمارے ہی بقول ہمارا ایمان تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے لیکن نظامِ سیاست اور اندازِ معیشت و معاشرت یورپ کا رائج ہونا چاہیئے یہ تضاد اس لیے ہے کہ ہم اپنا رخ متعین نہیں کر پا رہے جس کے نتیجے میں ہمارا معیار تہذیب طے نہیں ہو رہا اور اہم اور غیر اہم میں ترجیح قائم نہیں ہو رہی ، اگر ہر بڑے اور چھوٹے امر میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم اور فیصل مان لیں اور اپنے دین اور اپنی تہذیب کو اپنی روحانی اور فکری و عملی توانائی کا سرچشمہ قرار دے لیں تو ہمارے اندر نہ یورپ سے مرعوبیت کی بیماری رہ جائے گی اور نہ ہر بات پر معذرت خواہی کی عادت رہے گی اور ہم میں ایک طرح کا اعتماد اور حوصلہ پیدا ہو گا ۔

اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اُس کے آئے دن کروٹ بدلتے حالات اور تقاضوں کے ادراک سے عاری ہو جائیں ، دنیا کے لوازم سے بے خبر ہو جائیں ، عالمی نشیب و فراز سے لاتعلقی کا رویہ اپنا لیں جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ نہ کریں ، علوم و فنون کے ارتقاء سے بے بہرہ رہیں ، دنیا کے لیے بندوبست میں خود کو شامل نہ کریں سائنسی انکشافات اور اکتشافات سے فیضیاب نہ ہوں ، دنیا کی ترقی اور صنعت کی ترویج میں حصہ دار نہ بنیں اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے تہہ در تہہ واقعات اور ان کے مضمرات ، اثرات اور نتائج سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہ جائیں لیکن اپنی ناک کا چھید اتنا بھی کھلا اور ڈھیلا نہ رکھیں کہ ہندو آئیں اور اپنی معاشرت کی نکیل ہماری ناک میں ڈال دیں ، یورپ اپنی تہذیب کی نکیل ڈال دے ، امریکہ اپنی سیاسی غلامی کی نکیل ڈال دے اور یہ سب کچھ ہم چپ کر کے برداشت کرتے رہیں ۔ (باقی)

مولانا واضح رشید ندوی

صلیبی ذہنیت کی غلامی میں جکڑا ہوا یورپ

عالمی میڈیا کی دوغلی پالیسی

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی ایسے قدیم موضوع کو جس کی خوب چھان بین کی گئی ہو، اور اس کے اسرار و رموز کو جاننے کے لیے بے دریغ مال خرچ کیا گیا ہو، اس کی تحقیق و تدقیق کے بہتر سے بہتر طریقے اختیار کیے گئے ہوں، بار بار کریدنے اور چھیڑنے سے اس کی اصلیت مجروح ہو جاتی ہے۔ اور پھر لوگوں کے ذہنوں میں اس کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات سر اٹھانے لگتے ہیں۔

بعینہ یہی حال واقعاتِ زندگی و حوادث کا ہے کہ جب ان کا وقوع زیادہ سے زیادہ ہونے لگتا ہے تو لوگوں کے اندر اس کو جھیل لینے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور مشکلیں آسان معلوم ہونے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی مجرم جس کا جرم خواہ کتنا ہی شنیع کیوں نہ ہو، جب اس کی بہت زیادہ مذمت کی جاتی ہے اور اس کو سزا دینے میں تشدد سے کام لیا جاتا ہے، تو طبعی طور پر لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے محبت و رحمت کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں بہت سے باضمیر انسان اس کی نصرت اور دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

یہی قصہ جھوٹ و افترا پردازی اور غلط بیانیوں کا ہے کہ ان کی شناعت اور قباحت پر سب کا اتفاق ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں، کہ انسانی ضمیر خواہ کتنا ہی مر چکا ہو، اور وہ گناہوں کے خواہ کتنے ہی خوگر ہو گئے ہوں اور کذب و افترا، مکر و فریب کے ساتھ وہ کتنا ہی نرم گوشہ رکھتے ہوں لیکن جب معاشرہ کے اندر کوئی بھی انسان جھوٹ افترا پردازی اور جعل سازی، مکر و فریب میں حد سے گذرنے لگتا ہے تو ایسے لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں اور اس کے اس عمل پر نکیر کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ اور وسائل نشر و اشاعت نے اتنی ترقی کی ہے، اور اس کا دائرۂ عمل اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ دنیا کا ہر گوشہ اس پر عیاں ہے اور ہر گوشہ میں اس کی پہونچ ہے، وہ جس واقعہ کو چاہے اس کا واقعی منظر پیش کر سکتا ہے، اور جس پر پردہ ڈالنا چاہے، وہ کتنا ہی اہم ہو پوشیدہ رہ جاتا

ہے، لیکن اپنی اس وسعت اور ترقی کے باوجود بھی وہ عالم اسلامی اور مسلمانوں کی تصویر کشی میں اپنے ان پرانے خطوط پر قائم ہے، جن کو صدیوں پہلے اسلام دشمن طاقتوں نے تیار کیا تھا۔

چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں کی نسبت اس کے خزانۂ خیال میں سوائے برائیوں کے اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی، جب کہ ان ذرائع کے اجارہ داروں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سیکولرزم، آزادی رائے اور زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے علمبردار ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ واقعے کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ ان کے عملی کردار سے وہی قدیم صلیبی ذہنیت اور اسلام دشمنی اور مغرب کی برتری تصویر کی جھلک ظاہر ہوتی ہے، مسلمانوں پر یہ الزام ہے کہ یہ غور و فکر اور تدبر کے بجائے جذباتیت پر عامل ہیں، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کو تسلیم نہیں کرتے لیکن جو لوگ مسلمانوں کو یہ الزام دیتے ہیں، وہ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، اور اپنا محاسبہ کریں کہ وہ خود کتنی سمجھ بوجھ کے مالک ہیں اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کی حقیقت سے کتنے آگاہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ یا تو مسلمانوں کے متعلق کچھ جانتے نہیں یا وہ حقیقت حال کو سمجھنے سے قاصر ہیں، یا تو اپنی سامراجی قوت اور ذرائع ابلاغ پر زیادہ اعتماد کر کے حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔

اور وہ اقلیت و اکثریت اور طاقت اور ضعف کے پرانے تصورات پر قائم ہیں، وہ مسلمانوں کے جذبات، ان کے احساسات اور ان کے اقدار و مقدسات کو اب اسی سامراجی ذہنیت سے دیکھتے ہیں، اسی طرح بلندی سے اور قوت کی زبان سے خطاب کرتے ہیں، جس طرح ۵۰ سال پہلے خطاب کرتے تھے اور اسی نادانی یا تجاہل عارفانہ کا شاخسانہ ہے کہ اسلامی مقدسات ان کے زہرناک خنجر سے زخمی ہوتے رہتے ہیں، اور اس پر جب مسلمان اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی غیرت بھڑکتی ہے تو ذرائع ابلاغ کے اجارہ داروں کو حیرت ہوتی ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں، ان کو خاموشی سے اپنی ذلت برداشت کرنی چاہیئے، ان کو تعجب ہوتا ہے کہ اچھا یہ مسلمان جو ہمارے محکوم تھے اور اب بھی اقتصادی اور سیاسی اور تعلیمی میدان میں ہمارے محتاج ہیں، اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، اسی لیے یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ

> "جب بھی کوئی بے ضمیر شخص اپنی شہرت یا مادی مفادات کے لیے اسلام کے خلاف کوئی ایسی بات کہتا ہے جو دشمنان اسلام کے فکر و خیال سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو اس کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے، اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو خاموش رہنے بلکہ اس کے پراگندہ خیالات کو قبول کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، اور اس کے ان خیالات کو اکتشاف کا درجہ دے کر ان کی عالم گیر پیمانے پر تشہیر کی جاتی ہے، اور اس کو دنیا کا اتنا بڑا ہیرو قرار دیا جاتا ہے کہ

اس کے آگے عالمی فٹ بال کپ کا ہیرو بے وزن معلوم ہونے لگتا ہے، اور ذرائع ابلاغ کے دروازے اس کی حفاظت کے لیے اور اس کے دفاع کے لیے کھل جاتے ہیں، اور اگر کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے تو اس کو قدامت پسند، تنگ نظر قرار دیا جاتا ہے۔"

قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں کے حقوق کو جتنا اجاگر کیا گیا ہے، کسی اور مذہب میں ان حقوق کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی ہے اس موضوع پر بے شمار کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، مختلف زمانوں میں یہ مسئلہ زیر بحث رہ چکا ہے لیکن آج بھی اس مسئلہ کے بارے میں دنیا کے کسی حصہ میں اگر کہیں کوئی شگوفہ چھوڑا جاتا ہے تو یہ مسئلہ میڈیا کی دلچسپی کا موضوع بن جاتا ہے، اور پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورت اگر مظلوم ہے تو صرف مسلم سماج میں۔

قرآن و سنت، تاریخ اسلامی اور مسلمانوں کو ہدف بنا کر طرح طرح کے بے سروپا الزامات عائد کیے جاتے ہیں، اسی دوران دوسرے سماج میں عورتوں پر کتنا ہی ظلم ہو، وہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے اسی طرح اگر کہیں مسلمان زوجین میں کوئی ناخوشگوار بات پیش آجاتی ہے تو میڈیا اس کو لے اڑتا ہے اور غیر اسلامی افکار کے حامل اہل قلم اپنی قلمی توانائیاں صرف کرنے لگتے ہیں، اور بغیر کسی رعایت و پاسداری کے مسلمانوں کے مقدسات پر اُن کے قلمی توپوں کے دھانے کھل جاتے ہیں، اور مغرب و مشرق کی ساری زیادتیاں بے حیائیاں اور عورتوں کے استحصال کے واقعات اور زوجین کی کشمکش کی داستانیں خیالی معلوم ہونے لگتی ہیں، اس طرح کے جارحانہ و یک طرفہ معاندانہ اقدامات سے مسلمانوں کے جذبات کا مجروح ہونا طبعی بات ہے، اور فطری طور پر ان کے اندر اس کے نتیجہ میں ردعمل پیدا ہوتا ہے لیکن اس ردعمل کے ذمہ دار مسلمان نہیں ہیں، بلکہ وہ غیر منصف اہل قلم ہیں جو اپنے جارحانہ رشحات قلم سے ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے رہتے ہیں۔

تعجب ہے کہ اس کے باوجود بھی موجودہ تہذیب کو یہ دعویٰ ہے کہ اس کی بنیاد انسانیت نوازی بقائے باہم، صلح و آشتی، آزادی رائے، اور عقیدہ عمل کی آزادی پر ہے، جس کی رُو سے ہر انسان کو یہ استحقاق ہے کہ وہ اپنی زندگی گذارنے کے لیے جو طریقہ چاہے اختیار کرے، ایک طرف اس کا یہ دعویٰ ہے، دوسری طرف اسی تہذیب نو کے علمبردار اور مغربی میڈیا مسلم ملکوں کی اکثریت کے جذبات کو کچلنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور انہیں کے ملکوں میں ایسے نظام اور قوانین کے نفاذ کے خواہاں رہتے ہیں جو مسلمانوں کے دینی میلانات و رجحانات سے بالکل میل نہیں کھاتے اور اگر مسلمان اس کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں تو اس کو سختی سے کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مغربی میڈیا و مغربی حکومتیں اپنی تابعدار

حکومتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ ان مسلم عوام کو سختی سے کچل دیا جائے۔

بین الاقوامی اور عالمی ذرائع ابلاغ کے اسلام کے ساتھ اس معاندانہ رویہ سے مسلمانوں کی دینی غیرت بھڑکتی ہے کیونکہ وہ اپنے دین کو سب سے بہتر دین تصور کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ امت محمدیہ خیر امت ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا کے اندر عدل و انصاف قائم کرے فساد و بگاڑ کو مٹائے اور انسانوں کو غلامی کی زندگی سے نجات دلا کر امن و چین کی زندگی بسر کرنے کا سامان بہم پہنچائے، اس کا ایمان ہے کہ اس امت کو شاہد اور گواہ بنایا گیا ہے اور اس کے ذمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی ہے۔

موجودہ ذرائع ابلاغ، عالمی مسائل کے بارے میں دوغلی پالیسی اختیار کرتا ہے، اور اس کا یہ دوغلا پن اور دورخی پالیسی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے، اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اس وقت دنیا کے اندر عیسائی مشنریوں کے جال بچھے ہوئے ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ یہ مشنریاں اسلامی ممالک کی رگوں میں بھی داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ان کو متعدد مسلم ملکوں میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی اجازت بھی حاصل ہو گئی ہے۔ بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ملیشیا اور متعدد ایشیائی افریقی مسلم ممالک میں حتی کہ عرب ملکوں میں ان کا مشن زور پکڑتا جا رہا ہے۔ مغربی ممالک جو سیکولرازم کے دعویدار ہیں ان کی پوری مدد کرتے ہیں، سرمایہ اور وسائل فراہم کرتے ہیں، وہاں کے سرکاری دفاتر اور تعلیمی شعبوں میں ان کو اچھا خاصا رسوخ حاصل ہے۔ ان کو طرح طرح کی مراعات و سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں تاکہ یہ کلی طور پر ان ممالک میں اپنے کام کو جاری رکھ سکیں۔

چنانچہ یہ عیسائی مبلغین کھلم کھلا اپنی کوششوں کے ثمر آور ہونے کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں علاقہ میں اتنے لوگوں کو شکار کر لیا، اور اتنی مدت میں اس علاقہ کے لوگوں کو دائرہ عیسائیت میں داخل کر لیں گے، ان کی جرأت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری کوشش ہے کہ ہم مصر و ترکی اور شام کے مسلمانوں کو جو کہ اکثریت میں ہیں اقلیتی فرقے میں تبدیل کر دیں، یہ عیسائی مشنریاں جزیرۂ عرب میں بھی دراندازی ہونے کے لیے اب کوشاں ہیں، چنانچہ یورپین ممالک کے دباؤ سے خلیج عربی کے بعض ممالک میں گرجا گھروں کی تعمیر کی اجازت بھی دے دی گئی ہے۔

بعض اسلامی تنظیموں کے بیان کے مطابق ان عیسائی مشنریوں کا متشددانہ رویہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ممتاز اسلامی شخصیات کو یہ دھوکے سے قتل کرا دیتی ہیں، اس کی دسیوں مثالیں موجود ہیں، یا ان کے دامن کو ایسے مسائل سے الجھا دیتی ہیں کہ ان کی شہرت کو بٹہ لگے، یا پھر ان کو نذر زنداں کر دیا جاتا ہے

چنانچہ ہزاروں بے گناہ مسلمان قید و بند کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بعض اسلامی شخصیات پر اظہار رائے اور اسلامی ممالک میں سفر کرنے پر بھی پابندی ہے۔ نیز ایسے مسلم ممالک بھی ہیں۔ جہاں اسلام پسند گروپوں کو انتخاب میں نمایاں کامیابی حاصل ہونے کے باوجود ان کو اس ڈر سے حوالہ زنداں کر دیا گیا کہ کہیں یہ اسلامی انقلاب نہ برپا کر دیں، اور اس کے لیے مغربی ممالک پوری طاقت و توانائی صرف کر رہے ہیں، مغربی ملکوں کے دباؤ سے اسلامی ذہن رکھنے والے خود اسلامی ملکوں میں قید و بند کی تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں۔

یہ ایسے واضح اور نمایاں مسائل ہیں جو کسی بھی صاحب دانش و بینش سے مخفی نہیں ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ اب تک عالمی میڈیا پر یہ مسائل مخفی ہیں یا وہ جان بوجھ کر اس کے بارے میں رائے زنی کو آزادئ رائے و آزادئ عقیدہ کے خلاف سمجھتا ہے، یا بر بنائے مصلحت ان مسائل سے چشم پوشی کرتا ہے، میڈیا کا یہ دو رخا پن نہیں ہے تو اور کیا ہے، اگر کوئی اسلام کے خلاف کوئی بات کہے تو اس کو دنیا کا محسن و ہیرو قرار دیا جائے، اور یہ کہہ کر اس کی حمایت کی جائے کہ اس کو اظہار رائے کی پوری آزادی ملنی چاہیئے، لیکن اگر کوئی مسلمان اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرے یا اسلامی مظاہر کی پیروی کی کوشش کرے یا مغرب کی مادی تہذیب کی شناعت کو بیان کرے تو اس کی مذمت کی جائے، اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے، اس کے لیے طرح طرح کی دردناک سزائیں تجویز کی جائیں، اس کی آزادی پر قدغن لگایا جائے، عالمی میڈیا کی یہ ایسی دوغلی پالیسی ہے کہ موجودہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

عالمِ اسلام کی عظیم شخصیت، ہمت و شجاعت زہد و تقویٰ
علم و عمل کے پیکر، تبلیغی جماعت کے امیرِ سوم، داعیٔ کبیر
حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رح
کے حالات و دینی خدمات پر مشتمل
البنوریہ کراچی
کا خصوصی شمارہ
حضرت جی نمبر
ان شاء اللہ
نومبر ۱۹۹۵ء
میں شائع
ہو رہا ہے
جس میں
حضرت جی کے ولادت سے وفات تک کے حالات
حضرت جی کی حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ کی خصوصی تربیت
حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی کی رفاقت میں تبلیغ کا کام
حضرت جی کے ۳۲ سالہ دورِ امارت میں تبلیغ کے کام کا فروغ اور اس کی وسعت
حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد زکریا رحمہم اللہ پر خصوصی مضامین۔
تبلیغی جماعت کے بارے میں اکابر علماء کی آراء۔
تبلیغی جماعت کا طریقۂ کار اور دعوت کے اصول
حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی نایاب تقاریر، آپ کے نادر خطوط، دعا اور
دیگر بہت سی قیمتی تحریریں اس نمبر کی زینت ہوں گی۔
اہل علم اور اربابِ دانش
اپنی قیمتی تحریروں اور مضامین سے سرفراز فرمائیں
تبلیغی جماعت سے وابستہ افراد اور حضرت کے متعلقین و متوسلین
کے پاس حضرت جی کے خطوط اور قیمتی آثار ہوں تو عنایت فرمائیں
ایجنٹ حضرات اپنے آرڈر بک کرائیں، تاجر، صنعتکار اور مخیر حضرات
اس خصوصی شمارے کے لئے اشتہار دے کر تعاون فرمائیں۔
ماہنامہ
البنوریہ
جامعہ بنوریہ

یاد رفتگان

از ماسٹر محمد عمر خان گڑھ

آہ سید ابوذر بخاری جانشین امیر شریعتؒ

گنجینۂ علم و ادب ۔ ملتِ اسلامیہ کا عظیم مفکّر

قائد الاحرار سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایشیا کے عظیم خطیب برصغیر پاک و ہند کی آزادی کے عظیم جرنیل امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب حسنی بخاری کے جانشین اور بڑے صاحبزادے ۲۴ اکتوبر بروز منگل طویل علالت کے بعد اپنی جان جان آفرین کو سپرد کر کے اس دنیاء فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

والد کی نسبت سے تریسٹھویں سلسلۂ ولادت سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے والدہ کی نسبت سے حسینی تھے، مولانا خیر محمد قدس سرہٗ العزیز بانی جامعہ خیر المدارس کے علوم کے امین تھے آپ کا شمار جامعہ خیر المدارس کے سابقین ممتاز فضلا میں سے ہوتا ہے آپ بلا شبہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ کے مصداق عظیم باپ کے عظیم بیٹے تھے حق گوئی و بیباکی علمی تفوّق ۔ فصاحت و بلاغت ۔ خلوص وللہیت علم وعمل، خاندانی وجاہت و شرافت میں یادگار اسلاف اور سینکڑوں ہم عصر علماء پر بھاری تھے ۔ گنجینۂ علم و ادب اور تمام علوم و فنون کے انسائیکلو پیڈیا تھے تاریخ پر بڑا عبور تھا بڑی بڑی علمی ادبی محفلوں میں بے تاج بادشاہ تھے ۔ ذہانت مردم شناسی معاملہ فہمی میں عقابی نگاہ تھی ۔ زمانہ ساز عیار سیاست دانوں اور مکار چالاک دین فروش مبلغوں ابن الوقت ملاؤں، بدنہاد پیرزادوں نااہل سجادہ نشینوں گمراہ دانشوروں، ملحد فلاسفروں، بے ضمیر ادیبوں، ظالم سرمایہ پرستوں انگریز کے مراعات یافتہ جاگیرداروں سے سخت متنفر تھے ۔ فقر و استغنا، زہد و تقویٰ، مہمان نوازی ۔ اتباع سنت حسن و جمال ۔ شجاعت و بہادری، قرآن حکیم سے عشق اور حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت خاندانی ورثے میں ملی تھی ۔ فصاحت و بلاغت میں بحر بیکراں تھے خطابت آپ کے گھر کی لونڈی تھی جس موضوع پر خطابت کرتے سامعین آپ کی تحقیق ۔ مطالعہ فصاحت و بلاغت پر دنگ رہ جاتے وہ عصر حاضر کے عظیم محقق اور بہت بڑے خطیب تھے ۔ آپ کی تمام زندگی تحفظ ناموس صحابہ رضوان اللہ اجمعین و تحفظ ناموس ازواج مطہرات سلام اللہ علیہا میں گذری ۔ آپ نے حق کی پاداش میں ہزاروں صعوبتیں جھیلیں پابند قید و سلاسل ہوئے مگر آپ کا سر کسی بے دین حکمران کے سامنے نہ جھکا ۔ قرآن حکیم سے عشق کا یہ حال تھا آٹھ آٹھ سپارے تلاوت روزمرہ کا معمول تھا رمضان المبارک کی مقدس ساعتوں میں خواص کو ملنے کی اجازت نہ تھی، عید الفطر کے بعد حاضر ہوا تو فرمایا، اب

جسمانی ضُعف غالب ہے بیس ختم قرآنِ حکیم ہوئے ہیں آپ کا سلسلۂ بیعت حضرۃ شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ سے تھا اُن کے سوانحی حالات سُنا کر آبدیدہ ہو جاتے اور یہ شعر کہتے ۔

ؔ میری عمر دی گل کہ ائی مرشد دی گل دے پھیرے

اربابِ اقتدار کی ہیبت و شوکت سے بے نیاز صرف اور صرف خدائے واحد لاشریک کے اطاعت گزار بندے تھے ۔ اولاد حکومت ، دولت جیسے تمام بتوں کو دل سے نکال کر حرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالا ۔

خود داری اور عزتِ نفس سے پاکیزہ زندگی گزارتے ہوئے قناعت توکّل صبر تسلیم و رضا کا ایسا شاندار نمونہ اُمّت کو پیش کیا جس سے اِس قحط الرجال دور میں سیّدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے فقراء اور درویشی کی یاد تازہ ہوگئی تحفظ ناموسِ اصحاب رضوان اللہ اجمعین کو زندگی کا اہم مشن بنایا اور اسی میں تمام زندگی گزار دی راہبر عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر میں نے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا ۔ فرمانے لگے میرے پاس شہیدؒ آئے تھے تو میں نے اُسے کہا تھا یہ نعرہ مستانہ میرے جگر کی آواز ہے مجھے تو یہ جرأت نہ ہوئی لیکن اس نعرے کو ختم نہیں ہونا چاہئے میں نے شہید کو اُس وقت بھی کہا تھا ایک تمہارے پاس ووٹ نہیں دوسرا کلاشنکوف نہیں ایرانی استعمار اور جھنگ کے عہدِ انگریز کے مراعات یافتہ شعیہ جاگیر دار تمہیں برداشت نہیں کریں گے ۔

گھریلو نامساعد حالات جسمانی عوارضات سے بہت پریشان تھے آپ کے دیرینہ دوست محمد ایوب خاں شیروانی مرحوم حاضرِ خدمت ہوئے موصوف شاہ جی کی علمی ادبی شعری ذوق رکھنے والے دوست تھے برسبیل تذکرہ عرض کیا میں اپنے وطن مالیر کوٹلہ (انڈیا) سے پچھلے ہفتہ سے واپس آیا ہوں ایک نوخیز ہندو شاعر نے اپنا تازہ کلام سنایا ۔ غزل کا پہلا شعر یہ تھا ۔

ؔ غم نے سننے نہ دیا ضبط نے رونے نہ دیا
اِسی کشمکش میں کوئی فیصلہ ہونے نہ دیا

شاہ جیؒ نے اِس شعر کی بہت داد دی پھر اپنی یادداشت کتاب میں یہ شعر لکھا فرمانے لگے بھائی خان صاحب شاعر نے اِس شعر میں میری زندگی کی عکاسی کی ہے میں بھائی فاروق خاں شیروانی کے ساتھ حاضر ہوا تو ہمیں بھی یہ شعر سنایا ۔ فالج کے شدید حملہ سے آخر میں زبان بھی بند ہوگئی بالآخر پیغام اجل آگیا عظیم باپ کا یہ عظیم بیٹا اپنے عظیم والد کے پہلو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ہزاروں مدّاحوں بچی کھچی احرار کے سینکڑوں کارکنوں کو یہ پیغام دے کر داغِ مفارقت دے کر سو گیا ۔ ؔ

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

مولانا عتیق الرحمان سنبھلی

مکتوب لندن

مخدوم زادۂ گرامی قدر مکرم و محترم مولانا سمیع الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آج ہی گرامی نامہ مع الحق موصول ہوا ہے ۔ آپ کی تحریر آنکھوں کی ٹھنڈک اور باعث عزت افزائی، ملاقات بھی امید دلائی ہے، جو مزید باعث مسرت ۔ اللہ یہ امید بر لائے، آپ سے بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے ۔

الفرقان کا اداریہ اگر کچھ فکر انگیز معلوم ہوا ہے تو اُس پر الحق میں اظہار خیال میرے خیال سے مفید ہوگا ۔ ضرورت ہے کہ مسائل پر تبادلۂ خیال ہو ۔ اور بالکل (کسی حد تک) معروضی انداز میں ہو۔

شیخ ابوزہرہ مصری مرحوم کی امام ابوحنیفہ ضرور دیکھی ہوگی ۔ اُس کو مکتبہ سلفیہ لاہور نے اپنی تردید بنام تحقیق سے ملوث کر کے اردو میں شائع کیا ہے ۔ میرا جی چاہتا تھا کہ وہ اس تحقیق کے بغیر آپ حضرات کے یہاں سے ئع کی جاتی ۔ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی حضرت امام ابوحنیفہؒ پر جس کا نام شاید دفاع امام ابوحنیفہ ہے اس کی ایک کاپی مجھے درکار ہے قیمت جہاں فرمائیں گے ادا کر دی جائے گی کتاب کے نام کا تیقن نہیں ہے ۔ ہ کرم مولانا حقانی سے دریافت فرمالیں۔

پیکٹ بند کر دیا تھا کہ ایک ضروری بات کے لیے کھول کر یہ اضافہ کر رہا ہوں ، الحق میں مالک رام صاحب کا خط مولانا علی میاں کے نام بتایا گیا ہے وہ میں نے ارمغانِ دعوت میں خود دیکھا ہے ۔ اس کی بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ اس کو غلط فہمی سے مولانا محترم کے نام بتایا جا رہا ہے ۔ ورنہ یہ اصل میں ارمغان دعوت کے ایڈیٹر کلیم احمد صاحب کے نام ہے جو حضرت مولانا کے مسترشد ہیں اور غیر مسلموں میں دعوت اسلام کے کام سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

میری اس گزارش کی تائید خط کے ایک جملہ سے بھی ہوتی ہے ، جو یہ ہے "کاش آپ سے پہلے ملاقات ہوگئی ہوتی۔" میرے خیال میں تو حضرت مولانا سے ان (مالک رام) کی ملاقات بہت دفعہ ہوگئی ہوگی کم از کم ایک دفعہ کو تو میں قطعیت سے جانتا ہوں ۔ اور یہ مالک صاحب کے انتقال سے پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے اس کا موقع تھا دارالمصنفین اعظم گڑھ کی گولڈن جوبلی ، بہرحال میرے خیال میں اس خط کی بابت یہ غلط فہمی ہے کہ یہ مولانا علی میاں کے نام تھا۔

والسلام

عتیق الرحمان سنبھلی لندن
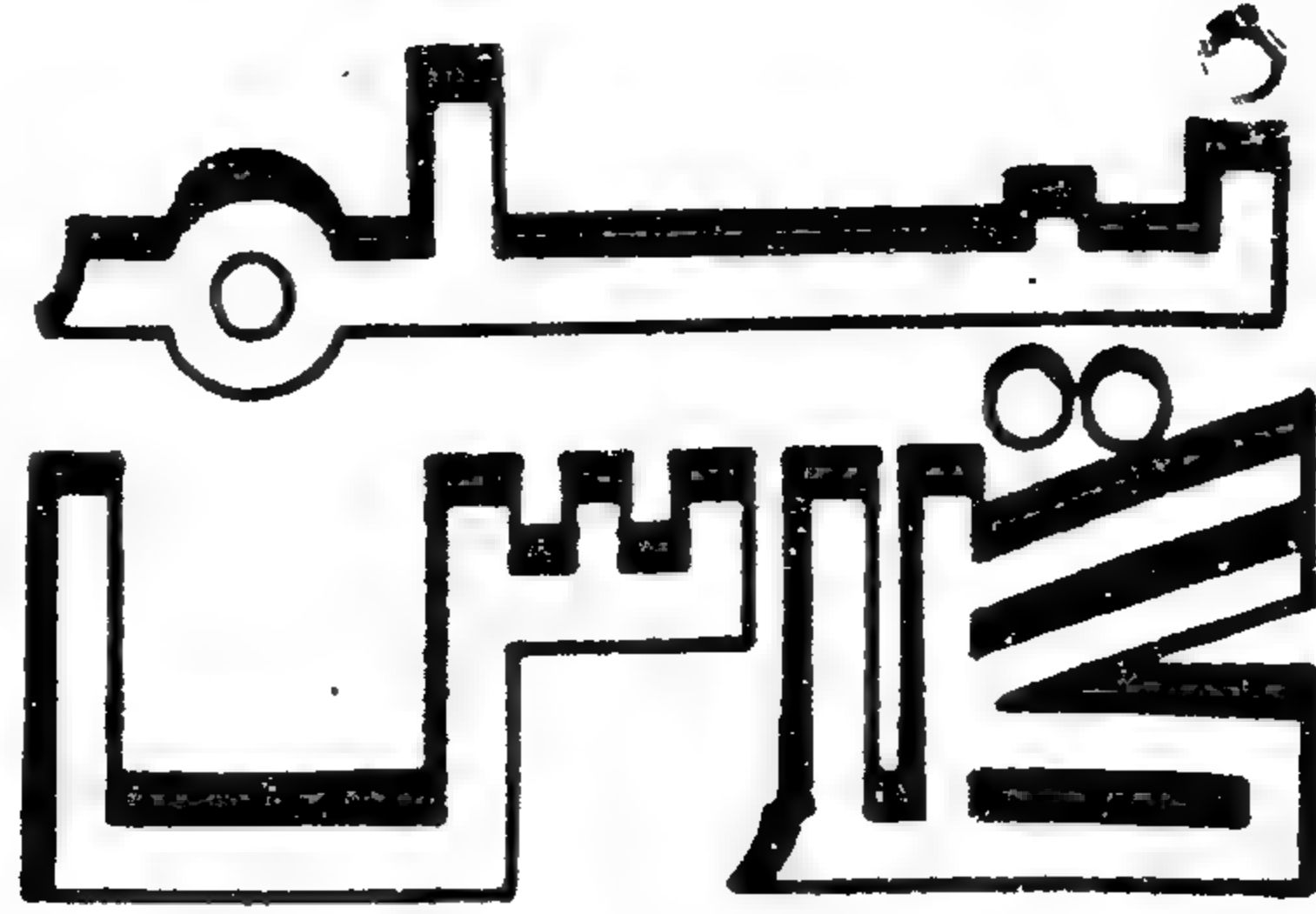
مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرۂ کتب

الرسائل السبعہ

تالیف ! حضرت مولانا مفتی محمد سیف اللہ حقانی مدظلہ، صفحات ۱۴۷ قیمت ۲۰ روپے
ناشر ! ادارۃ المعارف والتحقیقات الامیہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ـ

حضرت مولانا مفتی محمد سیف اللہ حقانی، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و مدرس اور مفتی بھی ہیں۔ اللہ نے انہیں تدریسی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ تحقیق و تصنیف اور فتویٰ نویسی کا بھی عمدہ [illegible]رق بخشا ہے بعض استفتاء کے جوابات میں حالات کی ضرورت اور عامۃ المسلمین کے نفع عام کو مدنظر رکھ کر تفصیلی اور تحقیقی جوابات بھی تحریر فرماتے رہتے ہیں جنہیں اگر علیٰحدہ علیٰحدہ شائع کیا جائے تو مستقل پمفلٹ اور تبلیغی افادیت کے پیش نظر ایک نافع سلسلہ اشاعت بھی شروع کیا جا سکتا ہے "الرسائل السبعہ" بھی جیسے کہ اپنے نام سے ظاہر ہے حضرۃ مفتی صاحب موصوف کے سات علمی اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جن میں عورت کی سربراہی، تبلیغ النساء، مسلمانوں کے قبرستان میں مرتدین کی تدفین، اثبات عذاب قبر، فرض نمازوں کے ساتھ پڑھے جانے والے سنن کے احکام قربانی کے مسائل اور پراویڈنٹ فنڈ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ کی جواہر الفقہ مولانا مفتی رشید احمد کے رسائل رشید کی طرح رسائل سبعہ بھی ایک مفید علمی اور فقہی کاوش ہے ـ

تاہم کشف الغطاء عن تبلیغ النساء کے موضوع پر اگرچہ حضرت مفتی صاحب موصوف کو دارالعلوم دیوبند کے مفتی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی عبدالسلام، مولانا عبدالحق ملازئی، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی ؒ، مولانا عبدالرحمٰن صدیقی، مولانا مفتی عبداللطیف، مولانا مفتی حمید اللہ جان ـ مولانا اللہ داد کاکڑ، مولانا مفتی محمد عیسیٰ، مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی، مولانا لطف الرحمٰن بنوی، مولانا نور محمد صاحب وزیرستان اور دیگر بہت سے علماء کرام کی بھرپور تائید و تصویب حاصل ہے تاہم اکابر علماء دیوبند کا جم غفیر اور ایک مستقل دبستانِ فکر شرعی قیود و حدود کے اندر رہ کر اس کے جواز بلکہ اس دور میں اس کی اشد ضرورت کا بھی قائل ہے جب کہ حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب نے بھی اس رسالے کی ترتیب و اشاعت کا مقصد اس اہم موضوع پر اہل علم کو مزید غور و فکر اور تحقیق کی دعوت دینا بتایا ہے اگر بحث و تحقیق اور اختلاف رائے کا یہ سلسلہ اخلاص پر مبنی اور علمی حدود کے اندر رہا تو یہ امت کے لیے سراپا رحمت ثابت ہوگا ـ

بہرحال رسائل سبعہ اپنے موضوعات پر ٹھوس مواد کے لحاظ سے ایک مفید فقہی کتاب ہے علمی اور تحقیقی حلقے یقیناً اس کی قدر کریں گے ـ

احسن الخبر فی مبادی علم الاثر

تالیف: شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان مدظلہ صفحات ۱۰
قیمت: درج نہیں، ناشر: امداد العلوم پشاور۔

برصغیر پاک وہند کے دینی مدارس میں دورۂ حدیث میں صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر امہات کتب بھی
پڑھائی جاتی ہیں جب کہ درجہ موقوف علیہ میں مشکوٰۃ اور اس سے قبل کے درجات میں کتاب الآثار، آثار السنن
اور ریاض الصالحین شریک نصاب ہیں مگر علم حدیث سے قبل اساتذہ حدیث طلبہ کو علم حدیث کی مبادی کا
درس دیتے ہیں اور بڑے درجات میں تو ہفتوں اسی پر بحث رہتی ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان
دامت برکاتہم اپنے وقت کے عظیم محدث اور فن حدیث میں کامیاب مدرس ہیں ان کا تدریسی انداز مؤثر، نافع
جامع اور قدیم وجدید کی آمیزش اور علوم ومعارف کا گنجینہ ہوتا ہے طلبۂ دورۂ حدیث کو وہ کچھ اس انداز سے مبادئ
علم حدیث پڑھاتے ہیں کہ پڑھنے والے بہ سہولت اسے ذہن نشین بھی کرلیتے ہیں اور یاد بھی، ان کے مستفید
اور ان کے حلقۂ تلامذہ میں اس کا بے حد اصرار تھا کہ حضرت کے مبادی علم حدیث کی تقریر ضبط کرکے شائع
جائے، اللہ کریم انہیں جزائے خیر دے کہ موصوف نے وقت نکال کر خود اپنی قلم سے اسے مرتب فرمایا جو
پر مشتمل ہے جس میں علی الترتیب علم حدیث کی تعریف، موضوع غرض وغایت، لفظ حدیث اور لفظ خبر اور سنت کی
تحقیق، فن حدیث میں بعض اصطلاحی الفاظ کی تشریح، انواع حدیث اور رواۃ وصفات اور وصل وانقطاع کے
لحاظ سے اُن کی تقسیم وجوہ تحمل حدیث، سنت کی شرعی حیثیت اور حجیت حدیث، تاریخ تدوین حدیث، صحاح
کے مصنفین کے تراجم اور ان کے مولفات کا مفصل تعارف، بعض مشاہیر رواۃ صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے تراجم
اور آخر میں بعض اہم مسائل مثلاً خبر واحد سے زیادۃ علی الکتاب، احتجاج بالمراسیل تحقیق مناط اور اس کی تخریج و تنقیح
اور دیگر بیسیوں ذیلی عنوانات پر مفصل مباحث آگئے ہیں، اساتذہ حدیث اور طلبہ کے لیے ایک نادر علمی تحفہ
ہے۔ اگر اگلے ایڈیشن میں اسے کمپوٹر کمپوزنگ کے ذریعہ کتابت کرالیا جائے تو نفع عام اور افادیت دوبالا ہوگی۔

کشفِ حلال

مرتبہ: جناب سید شبیر احمد شاہ صاحب کاکاخیل، صفحات ۹۰، قیمت درج نہیں۔
ناشر: ادارہ تحقیقات فلکیہ اسلامیہ پاکستان- ۵۹۲/R۹ اللہ آباد ویسٹرج راولپنڈی

مؤلف: جناب سید شبیر احمد شاہ صاحب کاکاخیل نے نمازوں کے اوقات پر ۱۹۸۲ء میں کام شروع فرمایا جسے
علماء نے پسند فرمایا اور دور ونزدیک کے لیے نمازوں کے اوقات کے نقشے تیار ہونے لگے تو شاہ صاحب نے ایک
کتاب بھی لکھدی جس کا نام "المؤذن" ہے اور اس میں پاکستان کے پانچ ہزار مقامات کے لیے نمازوں کے اوقات
سحری وافطاری کے اوقات اور قبلہ معلوم کرنے کا انتظام ہے۔ تاہم یہ بات شدت سے محسوس کی جارہی تھی کہ نمازوں
کے اوقات کے ساتھ ساتھ رویت ہلال پر بھی کام کرنا ضروری ہے۔ ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے جن میں جو شریعت

سے ناواقف ہیں وہ اس کو نمازوں کے اوقات کے حساب کی طرح ایک حسابی مسئلہ سمجھتے ہیں اور اس میں رویت بصری کو چنداں اہمیت دینے کو تیار نہیں اس لیے بارہا ایسے حضرات سے سناگیا ہے کہ جب چاند کے ایک ایک سیکنڈ کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے تو اب چاند دیکھنے کی کیا ضرورت ہے ۔ دوسری طرف علماء کرام تھے جن کے نزدیک رویت بصری کے بعد حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہے ۔ ظاہر ہے علماء کرام کی بات غلط تو نہیں تھی لیکن جب بعض جگہوں سے ایسی رویت بصری کی شہادتیں آجاتی ہیں کہ عقل اسکو بالکل ماننے کو تیار نہیں ہوتی اور کثیر تعداد میں علماء کرام ہی ان شہادتوں کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جس کا ذکر اس کتاب کے مقالہ" رویت ہلال سے متعلق تین سوال اور ان کا جواب" میں تفصیل سے آیا ہے لیکن جنہوں نے ان شہادتوں کو تسلیم کیا ہوتا ہے انکو اس فن کے جانے بغیر قائل کرنا ممکن نہیں اس لیے انتشار بڑھتا رہتا ہے ، ایسے حالات میں ضرورت تھی ایسے ماہرین فن کی جن کو علماء کرام اپنا سمجھتے ہوں اور وہ ان کو فنی طور پر یہ سمجھا سکیں کہ رویت بصری کی شہادت کب قابل تسلیم اور کب ناقابل تسلیم ہوتی ہے تاکہ شریعت کا عقل کے ساتھ براہ راست تصادم نہ آئے ۔ یہ سعادت محترم شاہ صاحب کی قسمت میں لکھی تھی ۔ اگر شاہ صاحب ایک طرف انجنیئر ہیں اور اہل سائنس ان کو اپنا آدمی سمجھتے ہیں تو دوسری طرف علماء کرام کے ساتھ ان کا اتنا اٹھنا بیٹھنا ہوا کہ بڑے بڑے علماء کرام ان پر علمی تحقیقات میں اعتماد فرماتے ہیں اور علمائے کرام کی سرپرستی میں دینی مطالعہ جاری رکھتے ہیں ان ہی کو اس میدان میں آنا چاہیئے تھا ۔

چنانچہ کشفِ ہلال اس موضوع پر فنی لحاظ سے ایک جامع کتاب ہے اور اہل علم کے لیے ایک نادر علمی تحفہ ، کتاب کے آغاز میں مولانا مفتی زبیر احمد مدظلہ کا تعارف اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و مدرس اور مفتی حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب کی مفصل تقریظ ہے ۔

صحبتے با اہلِ حق

جلد ۲
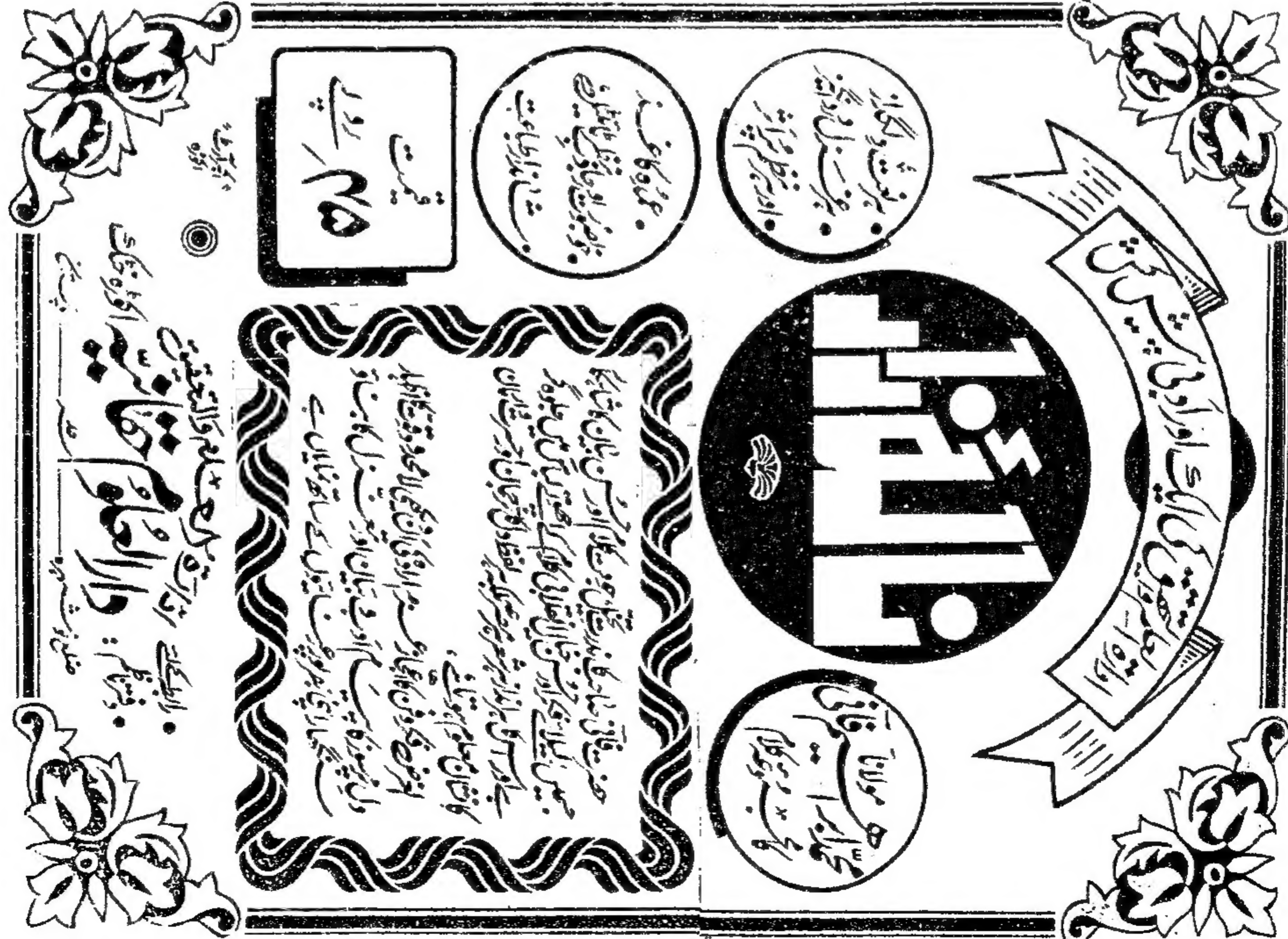
افادات

محدثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق ؒ کے اُن ارشادات وملفوظات کا مجموعہ جن میں عصرِ حاضر کے ذوق و مزاج کے مطابق زندگی کی اصلاح کا پیغام ایمان و یقین کی احسانی کیفیت پیدا کرنے کا وافر سامان اور حکایات و تمثیلات کے پیرائے میں تصوفِ اسلامی کا عطر اور علوم و معارف کا لُبِّ لباب آ گیا ہے

پیش لفظ : مولانا سمیع الحق مُدیر "الحق"

ضبط و ترتیب : مولانا عبد القیوم حقانی

مؤتمر المصنفین

دار العلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک

پشاور ○ پاکستان

صفحات ۴۰۶ - قیمت ۱۲۰ روپے